• دین اسلام پر عمل کے معاملے میں امتِ مسلمہ کے متوارث طرزِ عمل کا خلاصہ • عہدِ نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی مختصر اور جامع تاریخ • فقہ کیا ہے؟ • استنباطاتِ مجتہدین اور دین اسلام کے درمیان فرق و فاصلہ کے جدید تصور کا مفصل جائزہ • شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر • فروعی اختلافات کی شرعی حیثیت • دین کی نقل صحیح میں محدثین کا کردار • قرآن و سنت کی فہم صحیح میں فقہائے کرام کی وجہِ امتیاز • مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز اور منشائے شریعت • دور نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے نظام کی ایک جھلک، ان جیسے اہم عنوانات پر اکابر دیوبند اور دوسرے محقق علماء کی تصریحات کی روشنی میں ایک مفصل تحریر۔

از: محمد مصعب عفی عنہ (خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند)

نام کتاب : فقہ؛شریعت کی فہم سلیم
مرتب : محمد مصعب عفی عنہ
ناشر : مکتبہ علم وفقہ/دیوبند
اشاعت اول : رمضان ۱۴۴۴ھ مطابق مارچ ۲۰۲۳ء
اشاعت دوم : صفر ۱۴۴۵ھ مطابق ستمبر ۲۰۲۳ء
صفحات : ۲۵۶
کمپیوٹر کتابت : مولانا محسن قاسمی غازی آبادی
تحسین وتزئین : مولانا عبدالہادی قاسمی کبیر نگری
ملنے کا پتہ : مکتبہ الحرمین/دیوبند

تائید و توثیق

حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

پیش نظر کتاب: ''فقہ؛ شریعت کی فہم سلیم ''گرامی قدر جناب مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید علمہ کی نئی تصنیف ہے جس کا محرک اور پس منظر مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز کے مسئلے کے عنوان سے پھیلائی جارہی غلط فہمیوں کا ایک اصولی جائزہ پیش کرکے اِس نوعیت کے مسائل پر غور و خوض کے لیے صحیح نہج پیش کرنا ہے، اس کے لیے مولف موصوف نے پہلے دین اسلام پر عمل کے معاملے میں امت مسلمہ کے متوارث طرز عمل کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اُن جدید نظریات کی نشاندہی کی ہے جن سے فقہ اسلامی اور مجتہدین کے استنباطات پر زد پڑتی ہے، پھر اکابر دیوبند: حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی رحمہم اللہ اور دوسرے اساطین علم کی تصریحات کی روشنی میں فقہ کی حقیقت کو بھرپور انداز میں اجاگر کیا ہے، اس کے بعد شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر اور فروعی اختلافات کی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے دین کی نقل صحیح میں محدثین کا کردار اور قرآن و سنت کی فہم صحیح میں فقہائے کرام کی وجہ امتیاز پر احتیاط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، پھر دور نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی جامع تاریخ ذکر کی ہے جس کے تحت شریعت میں عمل متوارث کی اہمیت و حجیت پر بصیرت افروز کلام کیا ہے جو اس کتاب کا ایک

اہم جزء ہے اور آخر میں خواتین کی مسجد میں باجماعت نماز کے مسئلے پر متقدمین و متاخرین اور اپنے اکابر کی تصریحات کا شاندار خلاصہ ذکر کرنے کے بعد دور نبوی میں رائج خواتین کی تعلیم و تربیت کے نظام کو پیش کیا ہے۔

میں نے پورے مسودہ کو حرفا حرفا بہت دقت اور گہرائی سے پڑھا ہے، کافی دنوں کے بعد اتنی دلچسپی اور گہرائی کے ساتھ کسی کتاب کی نظر ثانی کا موقع ملا، ورق ورق پر مولف موصوف کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں، پوری تحریر مواد سے پر اور وسیع وعمیق مطالعہ کا ثمرہ ہے، اپنے اکابر کی تصانیف کو کھنگال کر ایسے اقتباسات تسلسل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں کہ اب اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے اور یہ حقیقت بھی خوب آشکارا ہوتی ہے کہ ''اکابر علمائے دیوبند'' کا فہم دین خیر القرون کے مزاج و ذوق سے سب سے زیادہ قریب ہے، چنندہ اقتباسات اور اُن پر کیے گئے جاندار تبصرے مولف کی ذہانت و فطانت اور وسعت علمی پر شاہد ہیں، مزید برآں کتاب کی زبان سنجیدہ، تعبیر میں احتیاط، اسلوب علمی اور دلچسپ ہے، امید ہے کہ یہ کتاب طالبین حق کے لیے دین و شریعت کے صحیح فہم میں مشعل راہ بنے گی انشاءاللہ۔

احقر اس اہم کتاب کی تالیف پر عزیز گرامی مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید فضلہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالی اکابر کے علوم سے مزید شغف عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت میں اس کی برکتوں سے نوازے اور اس اہم کاوش کو قبولیت عطا فرما کر مزید علمی کاموں کی توفیق دے، آمین۔

ابوالقاسم نعمانی
دار العلوم دیوبند
۲۰/۸/۴۴ھ

(Mufti) Abul Qasim Nomani

Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband

(مفتی) ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند، الہند

PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222429, Fax: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. No.......... Date:..........

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش نظر کتاب: "فقہ شریعت کی فہم سلیم" گرامی قدر جناب مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید علمہ کی نئی تصنیف ہے جس کا محرک اور پس منظر مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز کے مسئلے کے عنوان سے پھیلائی جاری غلط فہمیوں کا ایک اصولی جائزہ پیش کر کے اس نوعیت کے مسائل پر غور و خوض کے لیے صحیح نہج پیش کرنا ہے، اس کے لیے مولف موصوف نے پہلے دین اسلام پر عمل کے معاملے میں امت مسلمہ کے متوارث طرز عمل کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اُن جدید نظریات کی نشاندہی کی ہے جن سے فقہ اسلامی اور مجتہدین کے استنباطات پر زد پڑتی ہے، پھر اکابر دیوبند: حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی رحمہم اللہ اور دوسرے اساطین علم کی تصریحات کی روشنی میں فقہ کی حقیقت کو بھرپور انداز میں اجاگر کیا ہے، اس کے بعد شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر اور فروعی اختلافات کی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے دین کی نقل صحیح میں محدثین کا کردار اور قرآن وسنت کی فہم صحیح میں فقہائے کرام کی وجہ امتیاز پر احتیاط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، پھر دور نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی جامع تاریخ ذکر کی ہے جس کے تحت شریعت میں عمل متوارث کی اہمیت وحجیت پر بصیرت افروز کلام کیا ہے جو اس کتاب کا ایک اہم جزء ہے اور آخر میں خواتین کی مسجد میں باجماعت نماز کے مسئلے پر متقدمین ومتاخرین اور اپنے اکابر کی تصریحات کا شاندار خلاصہ ذکر کرنے کے بعد دور نبوی میں رائج خواتین کی تعلیم وتربیت کے نظام کو پیش کیا ہے۔

میں نے پورے مسودہ کو حرفاً حرفاً بہت دقت اور گہرائی سے پڑھا ہے، کافی دنوں کے بعد اتنی دلچسپی اور گہرائی کے ساتھ کسی کتاب کی نظر ثانی کا موقع ملا، ورق ورق پر مولف موصوف کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں، پوری تحریر مواد سے پر اور وسیع وعمیق مطالعہ کا ثمرہ ہے، اپنے اکابر کی تصانیف کو کھنگال کر ایسے اقتباسات تسلسل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں کہ اب اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے اور یہ حقیقت بھی خوب آشکارا ہوتی ہے کہ "اکابر علمائے دیوبند" کا فہم دین خیر القرون کے مزاج و ذوق سے سب سے زیادہ قریب ہے، چیدہ اقتباسات اور اُن پر کیے گئے جاندار تبصرے مولف کی ذہانت وفطانت اور وسعت علمی پر شاہد ہیں، مزید برآں کتاب کی زبان سنجیدہ، تعبیر میں احتیاط، اسلوب علمی اور دلچسپ ہے، امید ہے کہ یہ کتاب طالبین حق کے لیے دین وشریعت کے صحیح فہم میں مشعل راہ بنے گی ان شاء اللہ۔

احقر اس اہم کتاب کی تالیف پر عزیز گرامی مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید فضلہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالی اکابر کے علوم سے مزید شغف عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کی برکتوں سے نوازے اور اس اہم کاوش کو قبولیت عطا فرما کر مزید علمی کاموں کی توفیق دے، آمین۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۰ / ۹ / ۴۴ھ

فہرست مع اہم فوائد

حرف اول

دین اسلام پر عمل کے معاملے میں امت مسلمہ کا متوارث طرز عمل

فقہ اور دین اسلام کے درمیان فرق وفاصلہ کا جدید تصور

فقہاء کرام کے استنباطات کی شرعی حیثیت

شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر

فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت

قرآن وسنت کی فہم صحیح میں فقہائے کرام کی وجہ امتیاز

فقہ کی حقیقت

دور نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی جامع تاریخ

مسجد میں خواتین کی نماز اور منشائے شریعت

دور نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے نظام کی ایک جھلک

مساجد میں اجتماعِ مَرد وزَن
(ایک کلّی اور اُصولی گفتگو)

از: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الہ آبادی زید مجدہم
مفتی دارالعلوم دیوبند

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

اللہ تعالی نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے ہر دور میں شریعت یعنی عمل کے لیے ظاہری و باطنی احکام نازل فرمائے، سب سے آخر میں جب خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول بناکر مبعوث فرمایا تو آپ کو بطور شریعت قرآن و حدیث کی دو اساس عطا فرمائی، ارشاد باری ہے: ﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝٤٤﴾ [النحل:۴۴] یعنی قرآن نازل فرماکر رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کے سامنے اس کی تفصیل و تشریح بیان کرنے کا حکم فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال و ارشادات اور اعمال کے ذریعہ قرآن کریم کے معانی کو روشن اور آشکارا فرمایا، آپ ﷺ کے ارشادات بھی بلاشبہ وحی الٰہی اور شریعت کا حصہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝٤﴾ [النجم:۳-۴]

کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں بیان کیے گئے احکام ظاہر النص، عبارۃ النص یا وجوہ دلالت کے دوسرے طریقوں سے نکالے جاتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ احکام شرعیہ یا تو نص میں صراحتًا مذکور ہوتے ہیں یا علت کے اشتراک سے فقہاء کرام

استخراج فرماتے ہیں اور ایسے احکام بے شمار ہیں جو آیات محکمات اور احادیث محکمات کی تہوں سے نکالے گئے ہیں، دونوں ہی قسم کے احکام دین وشریعت کا حصہ ہیں۔

قرآن وحدیث کے الفاظ کی تعلیم کے ساتھ ظاہر وخفی، محکم ومتشابہ ہر طرح کے معانی رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام کو بتلائے، سکھلائے اور سمجھائے، بعد میں فقہائے صحابہ سے تابعین، تبع تابعین نے سیکھا، قرآن وحدیث کے انہی معانی کو دین کی اصطلاح میں فقہ کہا جاتا ہے۔﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ [التوبۃ:۱۲۲]

جس طرح حفاظ وقراء نے الفاظ قرآن کو محفوظ رکھا، محدثین نے الفاظ حدیث کو محفوظ کرنے کا محیر العقول کام انجام دیا، اسی طرح قرآن وحدیث کے احکام ومعانی کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں حضرات فقہاء کرام نے بے نظیر کردار ادا کیا، جس طرح قیامت تک کے لیے قرآن وحدیث کے الفاظ محفوظ ہوگئے اسی طرح قرآن وحدیث کے معانی بھی اپنی مخصوص درجہ بندی کے ساتھ محفوظ ومدون ہوگئے۔

فقہاء کرام کی تشریحات وتوضیحات کو احکام خداوندی کا حصہ نہ سمجھنا اور شریعت سے خارج کرنے کی کوشش کرنا ایک نئی آواز ہے جو کچھ عرصہ سے مستغربین کی جانب سے سننے میں آرہی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کے اجتہادات دین وشریعت کا حصہ نہیں ہیں، ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کن سوچ ہے جس میں تمدن جدید کے مطالبات کے تحت اسلامی احکام کی تشریح کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان متجددین نے آیات واحادیث کی تشریح اس منہج سے ہٹ کر کرنی شروع کردی جو طریقہ سلف صالحین اور فقہائے دین سے متوارث چلا آرہا تھا اور قرآن وحدیث کے الفاظ سے معانی تک صحیح رسائی کے جو اصول

مقرر تھے انہیں نظر انداز کردیا گیا، ان متجددین کی نظر میں شریعت صرف ظاہری احکام کا نام ہے، فقہاء نے جو احکام نکالے ہیں ان کو ذاتی آراء سے تعبیر کرکے ان کی حیثیت کو کمزور کردیا جاتا ہے، حالانکہ فقہاء کرام جن احکام الہیہ کو ظاہر کرتے ہیں وہ مخفی دلائل، پوشیدہ اشارات اور چھپی علتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔

برادرم مفتی محمد مصعب صاحب قاسمی معین مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند جنہیں اللہ تعالیٰ نے دقیقہ رَس ذہن ثاقب سے نوازا ہے، انھوں نے فقہ: شریعت کی فہم سلیم کے عنوان سے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور فقہ کا اصل مفہوم جس کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے، حوالوں کے ذریعہ اس کی دلآویز تشریح کرنے کی کوشش کی ہے جس میں یہ واضح کیا ہے کہ فقہ دوسرے لفظوں میں شریعت کی فہم سلیم کا نام ہے۔

میں نے پورا مسودہ بغور پڑھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عزیزم مفتی محمد مصعب صاحب نے ایک دقیق علمی موضوع کو حسن تعبیر کے ساتھ پیش کردیا ہے، انھوں نے جہاں حدیث وفقہ کے قدیم ذخائر سے خوشہ چینی کی ہے اور اپنی بات کو ہر جگہ دلائل سے آراستہ کیا ہے، وہیں دارالعلوم دیوبند کے اکابر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمان اعظمی وغیرہم رحمہم اللہ کی تحریرات سے بھی استفادہ کیا ہے اور عربی اُردو کے دلچسپ اقتباسات اور وقیع مضامین سے رسالہ کو زینت بخشی ہے۔

موصوف نے پوری بحث بہت شستہ، شگفتہ اور دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، بندہ دل سے دعاکرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کے افادہ کو عام و تام فرمائے۔

خاک پائے درویشاں
زین الاسلام قاسمی الہ آبادی
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۵/۸/۱۴۴۴ھ

تاثرات

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم
استاد حدیث وفقہ ومدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي علىٰ رَسُوْلِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

اس حقیقت سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں کہ شریعت کی اَساس اور اصل الاصول قرآن وحدیث ہیں جن کی روشنی میں اجماع وقیاس کی مدد سے فقہِ اسلامی مرتّب ہوا ہے اور اب شریعت پر عمل کا محفوظ ترین راستہ فقہِ اسلامی کی پیروی ہے؛ چنانچہ جن مسائل کا حکم فقہ میں بیان کردیا گیا ہے، یا جن کی نظیریں یا اُصول، فقہ میں موجود ہیں، ان میں امتِ مسلمہ کی اکثریت کا طرزِ عمل، ائمہ کے اجتہاد کی تقلید اور اتباع کا ہے؛ البتہ جو بالکل نئے مسائل ہوں اُن کا حکم، قرآن وحدیث سے فقہ کے اُصول یا جزئیات کی روشنی میں تلاش کیا جاتا ہے۔

لیکن کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض طے شدہ مسائل پر بحث شروع ہوجاتی ہے اور نئے دَور میں بعض مرتبہ اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے؛ لیکن اگر بحث کا رُخ غیر ضروری طور پر مجتہدانہ ہوجائے جس میں ائمۂ مجتہدین کے اجتہاد جبکہ صحابۂ کرامؓ کے موقف کو بھی نظر انداز کرنے یا ہلکا کہنے کی روش اپنالی جائے تو صحیح موقف پیش کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب اسی طرح کی ضرورت کی تکمیل ہے، جس کا پس منظر ''مسجد میں خواتین کی نماز کا مسئلہ'' ہے، جس کے بارے میں فقہِ اسلامی میں کوئی اشتباہ نہیں تھا؛لیکن بعض احوال کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ بعض لوگوں نے اس انداز سے پیش کیا جیسے اس پر اب تک کوئی صحیح رہنمائی موجود نہ ہو، یا یہ کہ اس بارے میں متقدمین ومتاخرین کا عمومی موقف؛ بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا رویہ بھی منشائے نبوی کے خلاف ہو، اس طرح خواتین کو مخصوص شرائط کے ساتھ مسجد میں آنے سے نہ روکنے کی نبوی ہدایت کو مسجد میں آنے کی ترغیب کے مرادف بنادیا گیااور آزاد اجتہادی انداز اختیار کیا گیا۔

اس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید مجدہ کو توفیق دی اور انھوں نے اصل زیرِبحث مسئلہ کے ساتھ ساتھ فقہِ اسلامی کی حیثیت اور شریعت پر عمل کے محفوظ ومعتبر راستہ کی توضیح وتشریح کا کام، حضرات اکابر رحمہم اللہ کی تحریرات کی روشنی میں اس انداز سے کردیا ہے کہ اِس طرح کے مسائل میں غور وفکر کا صحیح نہج واضح ہوکر سامنے آگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤلف موصوف نے اس موضوع پر حضراتِ اکابر علمائے دیوبند کے افادات جس جامعیت کے ساتھ پیش کردیے ہیں، اُس انداز سے شاید اب تک یہ کام ہوانہیں ہوگا، ایک غیر متعصب ذہن اور حق کے متلاشی کے لیے بلاشبہ یہ کتاب بھرپور اطمینان کا باعث ہوگی، احقر اُمید کرتا ہے کہ تمام ہی اہلِ علم اس میں پیش کیے گئے نکات پر غور فرمائیں گے اور اس محفوظ ومتوارث منہاج ومزاج کو اختیار کریں گے۔

اللہ رب العزت جناب مؤلف کو مزید علمی خدمات کی توفیق دے اور اس کتاب کو نافع ومقبول بنائے، آمین۔

[illegible]
۸/ شعبان ۱۴۴۴ھ
یکم مارچ ۲۰۲۳ء بدھ

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم
استاذِ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

بلاشبہ ''فقہِ اسلامی'' دین کی نکھری ہوئی شکل ہے، جو ایک زندہ اور دائمی دین کے لئے لازم اور ضروری بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدیہ کو یہ اِمتیاز عطا فرمایا ہے کہ اصل مصادر (قرآن وسنت) کی روشنی میں زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں مسائل واَحکام کی اِس طرح تدوین کردی گئی کہ ہر شخص کے لئے دین پر عمل کرنا آسان ہوگیا، اِسی تدوینی عمل کو ''فقہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ اَحکام ومسائل فقہاء ومفتیانِ کرام نے اپنی طرف سے وضع نہیں فرمائے؛ بلکہ اصل مصادر شریعت ہی سے اُن کا استنباط کیا گیا ہے، اِسی لئے ان مستنبط مسائل کو شریعت سے الگ خیال کرنا یا اجتہادی مسائل کی اَہمیت کو کم گرداننا صحیح نظریہ نہیں ہے۔

بعض متجددین سہولت پسندی کی بنا پر اجتہادی مسائل میں نرم پہلو اپنانے کی وکالت کرتے ہیں، جس سے درپردہ اِباحیت کو راہ ملتی ہے، اِسی لئے محققین علماء نے اِس نظریہ کی تائید نہیں فرمائی؛ بلکہ اس کی کھل کر تردید فرمائی ہے۔

ضرورت تھی کہ ایسے مضامین کو یکجا کیا جائے جن میں فقہِ اسلامی کی اہمیت اور

ضرورت کو اُجاگر کیا گیا ہو؛ تاکہ حضراتِ فقہاء کی گراں قدر خدمات کو سامنے لاکر صحیح منہج کی طرف رہنمائی کی جائے۔

ہمیں بہت مسرت ہے کہ فاضل گرامی جناب مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید فضلہ معین مفتی دارالعلوم دیوبند نے اِس موضوع پر قلم اُٹھایا، اور قدیم وجدید علماء بالخصوص حضرات اکابر دیوبند کی تصریحات کی روشنی میں بہت عمدہ اور کارآمد مواد اکٹھا کردیا، اِس کتاب کے مطالعہ سے فقہِ اسلامی کے مقام ومرتبہ کے بارے میں پوری بصیرت حاصل ہوگی اور بہت سے اُن شبہات ومغالطات کا اِزالہ بھی ہوگا جو بعض ناعاقبت اندیش حضرات کی طرف سے وقتاً فوقتاً پھیلائے جاتے رہتے ہیں۔

احقر اس خدمت پر مفتی صاحب موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں اور اِس کا فائدہ عام اور تام فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ مطابق

۸ر مارچ ۲۰۲۳ء

تبصرہ

رفیق محترم حضرت مولانا مفتی اسد اللہ صاحب آسامی دامت برکاتہم
معین مفتی دار العلوم دیوبند

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الحمد لله، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده.

اللہ تعالیٰ نے شریعت اس لیے نازل فرمائی ہے کہ بندے اس پر عمل کریں اور عمل کے لیے اُن موفَّق من اللہ علماء وفقہاء کے فہم پر اعتماد کرنا ہی واحد راستہ ہے جو نصوص کے معانی سے واقف تھے، انھوں نے خداداد تفقہ کی بناء پر قرآن وسنت کا نچوڑ اور خلاصہ مرتب ومہذب انداز میں پیش کر دیا ہے، غور کیا جائے کہ مثلاً اگر فقہائے کرام نماز کا مکمل طریقہ نصوص اور عمل متوارث کی روشنی میں مرتب نہ فرماتے اور ہر شخص کو مکلف کیا جاتا کہ وہ قرآن وحدیث میں خود غور وفکر کر کے نماز کا طریقہ نکالے تو کتنی دشواری پیش آتی، دراصل فقہ کی تدوین وترتیب اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام کا ایک حصہ ہے۔

اگر کوئی شخص فقہائے کرام کے مستنبط کردہ احکام پر عمل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ دین ہی پر عمل ہے، اس کو دین سے خارج نہیں کیا جاسکتا ہے، نصوصِ شرع (جن پر عمل کرنے سے متعلق امر الٰہی صادر ہوا ہے) اس کے بیشتر حصے پر عمل حضراتِ شارحین اور فقہاء کی تحقیقات کو نظر انداز کر کے ممکن ہی نہیں ہے، یہ ایک بدیہی امر ہے، یہی وجہ ہے کہ امت

کے بڑے بڑے محدثین نے بھی حضرات فقہاکی فہم پر اعتماد کیا ہے۔

پیش نظر کتاب: "فقہ؛ شریعت کی فہم سلیم" میں فقہ سے متعلق گمراہ کن نظریات کی نشاندہی کرنے کے بعد فقہ کی حقیقت پر بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے، اس کتاب میں مؤلف مدظلہ نے اپنی طرف سے بہت کم باتیں تحریر کی ہیں، زیادہ تر حصہ اسلاف، بالخصوص اکابر دیوبند میں سے ان ہستیوں کے اقتباسات پر مشتمل ہے، جن کے علم وتحقیق، امامتِ فن، تفقہ اور دیانت پر ان کے دور سے مابعد ادوار تک امت اعتماد کرتی آرہی ہے، اس طرح یہ کتاب اپنے مضمون کے اعتبار سے سلف کے منہاج ومزاج کا ایک عملی پیکر بن گئی ہے۔

مزید برآں اس کتاب میں خواتین کے مسجد کی جماعت میں حاضری کا علمی وتحقیقی جائزہ لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں عہد نبوی اور عہد صحابہ وتابعین وغیرہ کے تعامل کو مضبوط حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس مسئلے کی شرعی حیثیت بالکل مبنی بر حقیقت ایسے اسلوب میں پیش کی ہے کہ نصوص اور صحابہ کرام کے عمل کے درمیان کوئی تعارض باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

مؤلفِ گرامی، رفیق محترم حضرت مولانا مفتی محمد مصعب صاحب زید مجدہ نے ایک لمبے عرصے تک غور وفکر، متقدمین ومتاخرین کی کتابوں کے عمیق مطالعہ اور اکابر ومعاصر علماء ومفتیان کرام سے وسیع تر مشاورت اور تبادلۂ خیال کے بعد یہ کتاب ترتیب دی ہے، جس کی سطر سطر سے قارئین کو مؤلف کی محنت اور مضمون کی وقعت کا احساس ہوگا۔

بندے نے اس کے ابتدائی مسودے کو بالاستیعاب پڑھا ہے، اس کے بعد جو حتمی مسودہ تیار ہوا، اس کے بھی اکثر حصے کو حرف بہ حرف پڑھا؛ اس لیے بندہ پورے وثوق کے ساتھ یہ بات عرض کررہا ہے کہ یہ کتاب؛ فقہ کی حقیقت اور فقہائے کرام کی استنباطات کی شرعی حیثیت کو سمجھنے کے لیے انشاء اللہ سنگ میل کا کام کرے گی اور آج کے دور میں بعض

شرعی احکام کے عنوان سے جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں، ان کے سد باب کا بھرپور ذریعہ ثابت ہوگی انشاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور مؤلف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واَصحابہ اجمعین۔

محمد اسد اللہ غفرلہ، خادم افتاء دار العلوم دیوبند

۱۷/شعبان ۱۴۴۴ھ

فقہ؛ شریعت کی فہم سلیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف اول

تالیف کا محرک اور پس منظر

میرے مخدوم و مرشد حضرت اقدس مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی دامت برکاتہم نے کئی سال پہلے مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز میں شرکت کے سلسلے میں ایک مفصل سوالنامے کا جواب تحریر کرنے کا حکم فرمایا تھا، تقاضا عجلت کا تھا، بندہ نے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور رسالے کی روشنی میں جواب مرتب کرکے حضرت کی خدمت میں پیش کردیا، اس کے بعد سے کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ اس کو باقاعدہ موضوع بنایا جائے؛ اس لیے کہ مسجد میں خواتین کی نماز کا مسئلہ ایک قدیم اور مفروغ عنہا مسئلہ ہے، بندے کی ناقص نظر میں یہ مسئلہ درحقیقت اس نوعیت کا نہیں تھا کہ اس کو موضوع بنایا جائے، تاریخ اسلام میں یہ مسئلہ کبھی بحث ونظر کا خاص موضوع نہیں بنا اور فقہائے کرام سے جو کچھ جزوی اختلافات منقول ہیں، ان کے بارے میں پانچویں صدی ہجری کے عظیم محدث وفقیہ، حافظِ مغرب علامہ ابن عبدالبر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

«أقوال الفقهاء في هذا الباب متقاربة المعني»

''اِس مسئلے میں فقہاء کی تعبیرات معنی وحقیقت کے اعتبار سے قریب

قریب ہیں“۔[1]

لیکن ماضی قریب میں اس تعلق سے بحث ومناقشہ اور تعاقب وتردید کا جو رخ سامنے آیا، اس سے اندازہ ہوا کہ درحقیقت بات صرف اسی مسئلے تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ اس

---

(۱) التمہید:۲۳ / ۴۰۳،وزارۃ عموم الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، المغرب، حافظ اندلسیؒ کی یہ تصریح نہایت اہمیت کی حامل ہے؛ اس لیے کہ ان کے مشہور شاگرد حافظ حمیدیؒ (۴۸۸ھ) کی تصریح کے مطابق علامہ ابن عبد البرؒ اختلافِ فقہاء کے علم ومعرفت میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ (جذوۃ المقتبس فی تاریخ علماء الاندلس، ص:۳۶۷) ابو المآثر محدث کبیر مولانا حبیب الرحمان اعظمی قدس سرہ نے بھی کتاب الزہدلابن المبارک کے مقدمے(۲۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) میں حافظ حمیدیؒ کے حوالے سے علامہ ابن عبد البر کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔

فائدہ: اس مسئلے میں مذاہب اربعہ کی تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ کریں: كتاب الآثار للإمام أبي حنيفة مع حاشيته للعلامة أبي الوفا الأفغاني:١/ ٥٤٧ تا٥٥٠، باب خروج النساء في العيدين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية:١٤١٣ه، كتاب الأصل للإمام محمد بن حسن الشيباني:١/ ٣٨١، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي، كتاب الحجة على أهل المدينة:١/ ٣٠٦،التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد لابن عبد البر:٢٣/ ٣٩٤تا ٤٠٨، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية المغرب ١٣٨٧ه، الاستذكار لابن عبد البر:٢/ ٤٦٥ تا٤٧٠، دار الكتب العلمية، بيروت، كتاب الأم للإمام الشافعي:١/ ٢٧٥، دارالمعرفة، بيروت ١٤١٠ه، مسائل الإمام أحمد برواية ابنه عبد الله، ص:١٣٠، رقم:٤٨٠، المكتب الإسلامي، الطبعة الاولي ١٤٠١ه/ ١٩٨١ء، صاحب کفایۃ المغتذی مذاہب اربعہ کی عبارتیں مفصل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: علم من هذا التفصيل أن مذاهب الأئمة الأربعة وغيرهم من الفقهاء مثل سفيان الثوري و ابن المبارك فيه متقاربة - (کفایۃ المغتذی فی شرح جامع الترمذی:۴/۳۴۵،المؤسسۃ العلمیۃ، ڈھاکہ، بنگلادیش، الطبعۃ الاولی ۱۴۴۳ھ)۔

طرح کے مسائل کو عنوان بناکر شعوری یا غیر شعوری طور پر شریعت مطہرہ کی ایسی ترجمانی کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے جو ہمارے اسلاف کے متوارث مزاج ومنہاج سے مختلف ہے اور یہ کوشش نئی نہیں ہے؛بلکہ انیسویں صدی عیسوی کے وسط سے متجددین؛امت مسلمہ کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کررہے ہیں کہ اس نوعیت کے مسائل میں سلف کی اتباع کے مقابلے میں رائے کی آزادی کی اہمیت کو سمجھا جائے اور اسلامی احکام کی تشریح تمدن جدید کے مطالبات کے تحت کی جائے، آج کا نیادور اُسی کا تسلسل ہے، جس کے اثرات مختلف سطح پر محسوس ہورہے ہیں، خصوصاً فقہ اسلامی کی حقیقت اور اس کی تاریخی وتشریعی حیثیت مبہم اور غیر واضح ہوتی جارہی ہے، مروج مضامین میں کہیں برملا اور کہیں تعبیر نو کے پس پردہ فقہ اسلامی پر حرف گیری بھی محسوس ہوتی ہے۔

مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز کے مسئلے پر راست کلام کرنا کچھ مناسب ومفید معلوم نہیں ہوا؛اس لیے کہ جب تک نظر وفکر کا رخ اور زاویہ نگاہ صحیح سمت پر نہ ہو، اس وقت تک کوئی مضبوط سے مضبوط دلیل اور معقول بات بھی تشفی اور اطمینان کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اس لیے بنیادی طور پر پہلے درج ذیل اجزاء پر مفصل کلام کی کوشش کی گئی ہے:

- دین اسلام پر عمل کے معاملے میں امت مسلمہ کے متوارث طرز عمل کا خلاصہ
- عہدِ نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی مختصر اور جامع تاریخ
- فقہ کیا ہے؟
- استنباطاتِ مجتہدین اور دین کے درمیان فرق و فاصلہ کے جدید تصور کا مفصل جائزہ
- شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر
- فروعی اختلافات کی شرعی حیثیت

- دین کی نقل صحیح میں محدثین کا کردار
- قرآن وسنت کی فہم صحیح میں فقہائے کرام کی وجہِ امتیاز

یہ وہ بنیادی اجزاء ہیں کہ شرعی احکام پر غور وخوض کرتے ہوئے ان کے بارے میں صحیح نقطہ نظر مستحضر رکھنا ضروری ہے، ورنہ نصوص شرعیہ کے معانی ومفاہیم کے حوالے سے قدم قدم پر ذہن الجھے گا، شرعی احکام پر اطمینان وانشراح کی کیفیت متاثر ہوگی، اسلامی احکام پر داخلی وبیرونی حملوں کا شرعی اصولوں کے مطابق مستحکم دفاع مشکل ہوگا اور دفاعی تحریروں سے بجائے خود بے راہ روی کو راہ ملے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس ناچیز کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور احقر کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔ وما توفيقي إلا بالله العلي العظيم

محمد مصعب عفی عنہ
خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند
۲۱ شعبان ۱۴۴۴ھ

دین اسلام کے متوارث مزاج ومنہاج کا خلاصہ

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری رحمہ اللہ کی ایک مختصر اور جامع تحریر

تفصیل میں جانے سے پہلے دین اسلام کے سلسلے میں امت مسلمہ کے متوارث طرز عمل اور دین اسلام کے واضح نہج کے بارے میں ایک مختصر؛ مگر نہایت جامع تحریر پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ ایک اجمالی خاکہ ذہن نشین ہوجائے، یہ تحریر؛ حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب بجنوری قدس سرہ کی ہے جو آخر دور میں کتاب وسنت کی صحیح تعبیر کے ایک نمایاں علم بردار اور طبعی اور فطری طور پر اِصابتِ رائے کے حامل تھے، ملاحظہ فرمائیں:

> ''دینِ اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے جو اللہ رب العزت نے بندوں کے لیے پسند فرماکر اُن پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی اور رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی تبلیغ وتعلیم فرماکر ادائے امانت اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کردیا اور اپنے بعد امت کی رہنمائی کے لیے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت تیار فرماکر امت کے لیے دین پر عمل کا ایک واضح نہج متعیّن فرمادیا جس کا خلاصہ «مَاأَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» کا بلیغ جملہ ہے۔(۱)

(۱) علامہ کشمیریؒ کے ممتاز تلمیذ حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شاہکار تصنیف ''ترجمان السنۃ'' میں اس جملے کی بلاغت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: بظاہر یہاں آپ ﷺ کا جواب سوال کے پورا پورا مطابق نظر نہیں آتا، صحابہؓ کا سوال فرقۂ ناجیہ کے متعلق تھا، آپ کا صاف جواب «أَنَا و أَصْحَابِي» ہونا چاہیے تھا، یعنی وہ جماعت میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں، بلاشبہ اُس وقت فرقہ ناجیہ کا مصداق یہی
=

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت کے مطابق دین کی تمام تفصیلات وتعلیمات اور اس کا مجموعی مزاج، بعد کی نسلوں تک منتقل فرمایا، یہ مزاج ومنہاج، جو سنتِ رسول ﷺ اور اُسوہ صحابہؓ کی روشنی میں امت کو حاصل ہوا اس میں قرآن وحدیث کو مصدر وماخذ کی حیثیت حاصل تھی اور اُن پر عمل کے لیے حدیثِ جبریلؑ کی روشنی میں دین کا خلاصہ تین شعبوں میں کیا گیا: ایک تو عقائد وایمانیات، جو ایک فن کی شکل میں مرتّب ہوکر علمِ کلام کے نام سے متعارف ہوا، دوسرے اعمال اور فروعی تفصیلات جن کو فقہ کی شکل

=

جماعت تھی اور اگر اس سے بڑھ کر کوئی آئینِ کلی بتانا مقصود تھا تو وہ کتاب وسنت ہے؛ بلکہ «مَاأَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» کا حاصل بھی یہی ہے، پھر آپ کے اصحاب کا طریقہ آپ کے طریق کے سوا کوئی اور طریق نہیں تھا، اس کے مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہونی چاہیے، ان سوالات کے حل کی طرف جب انسان توجہ کرتا ہے تو اس کو صاحب نبوت کے ایک ایک لفظ کا کمال کھلتا چلا جاتا ہے، بیشک متبادر یہی تھا کہ جواب: أنا وأصحابي ہوتا؛ مگر یہاں سائل کا مقصود اس کے زمانہ کی جماعتِ حق کی تعیین نہ تھی، وہ دَورِ فتن میں حق جماعت کی تعیین کا طالب تھا، اگر اسے آپ صرف کتاب وسنت ہی کا معیار بتاتے تو یہ جواب اُس دَور کے مناسبِ حال نہ ہوتا جس میں ہر باطل سے باطل فرقہ کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہی کتاب وسنت کا حامل ہے؛ اِس لیے یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا ہے جو اس زمانہ کے بھی مناسبِ حال ہو، وہ صرف کتاب وسنت نہیں؛ بلکہ اس کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بطریقِ اُسوہ پیش فرمائی تھی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ایک ایک خدّوخال کو دیکھا اور موبمو اس کی نقل کی، اب ادھر یہ اُسوہ حسنہ، اُدھر اس کا وہ مکمل نقشہ تھا، پوچھنے والوں کے لیے اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ جو صراطِ مستقیم کو دریافت کرنے آتا اُسے آنکھوں سے دکھادیا جاتا اور زبان سے سمجھادیا جاتا کہ وہ صراطِ مستقیم یہ ہے؛ اِس لیے یہاں افراد واشخاص کی بحث چھوڑکر اُن اوصاف کو بتادیا گیا ہے جو فرقۂ ناجیہ کی تعیین میں ہمیشہ کے لیے کارآمد ہوں۔ (ترجمان السنۃ:۱/۸۴، بشریٰ، کراچی، اشاعت ۱۴۳۷ء/۲۰۱۶ء)

میں مدوّن کیاگیا، تیسرے کیفیتِ احسان، جس کے حصول کی تدبیر کو تزکیہ وتصوف کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، اس طرح قرآن وحدیث کوملاکر یہ کل پانچ اُمور ہوتے ہیں، ان پانچوں اُمور کے سلسلے میں امت کے طرزِعمل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قرآنِ کریم کی تفسیر میں بنیادی طور پر سلف کا اتباع کیا جائے، تفسیر بالرائے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۲) حدیثِ پاک کو قرآنِ کریم کی تفسیر سمجھا جائے اور قرآن وحدیث کے الفاظ سے معانی تک پہنچنے کے لیے اُس منہاج کی پیروی کی جائے جسے امت کے اسلاف نے اُصول کے نام سے مدون کر دیا ہے اور صدیوں سے اس کی صحت کا تجربہ ہورہا ہے۔

(۳) کلام جس میں توحید وصفات اور بنیادی عقائد کی بحثیں ہیں ان میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے، متشابہات کے بارے میں سلف کا طرزِعمل راجح مانتے ہوئے ایسی تاویل کی بھی گنجائش رکھی جائے جو نصوص سے متعارض نہ ہو۔

(۴) فقہ؛ قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، جو اجتہاد کی اعلی صلاحیت کے حامل ائمۂ کرام کی بے مثال محنت اور رسوخ فی العلم کا آئینہ دار ہے؛ اِس لیے اُن کی تقلید کرکے اپنے دین کو محفوظ رکھا جائے۔

(۵) تزکیہ واحسان، قرآن وحدیث کی مطلوب کیفیت ہے، اس کے لیے حسبِ ضرورت تصوف کے طرق سے استفادہ کیا جائے، بشرطیکہ اس میں کوئی چیز بدعت کے قبیل سے نہ ہو۔

یہ ہے دین پر عمل کے معاملے میں امت کا متوارث طرزِعمل جس پر ۱۴۰۰/سال

سے امت عمل کرتی آرہی ہے ''اھ۔ (۱)

حضرت مولانا نے دین اسلام کے ''متوارث طرزِ عمل'' جیسے دقیق اور گہرے موضوع کو خوبصورت اور صاف ستھری آسان تعبیر میں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد اسلامی علوم وفنون کی تاریخی وتشریعی حیثیت کو سمجھنا اور ہضم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، اس تحریر کے حرف حرف سے بلا کی چاشنی اور نفاست کی خوشبو پھوٹتی ہے اور بجا طور پر محسوس ہوتا ہے کہ خود کاتبِ تحریر کی نظر میں دین اسلام کی صحیح تصویر کس درجہ واضح تھی، یہاں وہ بات نقل کرنے کی طبیعت چاہتی ہے جو خود حضرت مولانا نے اپنے استاذ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب قدس سرہ سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں فرمائی تھی کہ:

> ''حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلالۃ النص، عبارۃ النص اور اشارۃ النص والی بحث اس انداز سے سمجھادی کہ پورا اصول فقہ آسان ہوگیا''(۲)

نیز مذکورہ اقتباس بغور پڑھنے کے بعد حضرت بجنوری قدس سرہ کے معتمد علیہ اور اُن کی فکر و نظر کے حامل حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم کی یہ شہادت ملاحظہ فرمائیں:

> ''جہاں تک (حضرت بجنوریؒ) کی گیرائی اور دقت فہم ونظر کا تعلق ہے،

(۱) تقریظ بر کتاب خطبات حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم، ترک تقلید اور اس کا انجام، خانقاہ محمودیہ، بنارس، اس کی کچھ تفصیل حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ فرمانے کے لیے دیکھیے: مقالات نعمانی، ص: ۱۴۴ تا ۱۴۶، بعنوان: شاہ صاحب میری نظر میں۔

(۲) ماہنامہ دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ نمبر، مضمون حضرت مولانا توحید عالم صاحب بجنوری مدظلہ۔

اس میں تو سچی بات یہ ہے کہ ان کی نظیر ملنا مشکل ہے، اُن کی نظر مسئلہ کی بنیاد پر ہوتی تھی، مقاصد شریعت کا ان کو زبردست ادراک تھا اور وہ جزئیات پر بات کرتے ہوئے دین اور علوم دین کے کلیات و مسلمات پر نظر رکھتے تھے، ایسے علمی موضوعات میں ان کی قوت استخراج واستنباط بھی جھلکتی تھی جس کی مدد سے وہ صحیح نتیجہ نکالنے میں کامیاب ہوجاتے تھے، ان کو صرف فکر و عقیدہ اور مسلک و مشرب کے معاملات ہی میں نہیں؛ بلکہ علمی آراء میں اسلاف و اکابر پر بھرپور اعتماد تھا، ایسا نہیں کہ وہ مسائل پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتے ہوں؛ بلکہ ان کی سوچی سمجھی رائے یہ تھی کہ بعد کا آدمی جہاں بھی جمہور سے الگ راہ اختیار کرتا ہے یا سلف سے اختلاف کرتا ہے، وہ عام طور سے اس کی فہم کا قصور ہوتا ہے، اس لیے نئی رائے قائم کرنے والا شخص کوئی بھی ہو عموماً وہ قوت استنباط، مدارک فہم اور وسعت نظر، نیز اصول استنباط کی پابندی میں بڑوں سے فروتر ہی ہوتا ہے، ان کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ قدرت نے ان کو مافی الضمیر کی ادائے گی اور اس کو تعبیر کرنے کا عجیب سلیقہ عطا کیا تھا، وہ لفظ کا برمحل استعمال کرتے تھے اور اس بات کی پہچان رکھتے تھے کہ کون سے لفظ کا کیا مزاج ہے اور وہ کس مقام کا لفظ ہے، پھر اپنی بات کا اظہار جس سلیقہ سے کرتے تھے، وہ انہی کا حصہ تھا، اصابت رائے؛ ان کا ایسا نمایاں وصف تھا کہ ان کا جاننے والا ہر شخص اس وصف سے واقف ہے"۔ (۱)

---

(۱) ہفت روزہ الجمعیۃ کا مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر، ص:۴۵ تا ۴۹، مضمون: حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مد ظلہ، بعنوان: آہ! اقدار اسلاف کا پاسباں خاموش ہے، الجمعیۃ، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی۔

الغرض! حضرت بجنوری قدس سرہ نے چوتھے جزء پر جو کچھ لکھا ہے کہ:

"فقہ، قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، جو اجتہاد کی اعلیٰ صلاحیت کے حامل ائمۂ کرام کی بے مثال محنت اور رسوخ فی العلم کا آئینہ دار ہے؛ اِس لیے اُن کی تقلید کرکے اپنے دین کو محفوظ رکھا جائے"۔

آنے والے صفحات میں اسی کی تشریح وتوضیح کی ایک طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے۔

فقہِ اسلامی اور دینِ اسلام کے درمیان فرق و فاصلہ کا تصور

فقہِ اسلامی اور فقہائے کرام کے تعلق سے ایک نظریہ تو متشدد غیر مقلدین کا ہے، جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے، اس پر اہل حق محققین کی وقیع تحریریں عام ہو چکی ہیں، قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس وقت شرعی احکام کی تحقیق و تنقیح کے دوران احادیث نبویہ اور ان کے ظاہری مفاہیم و معانی کو فقہائے کرام سے منقول تصریحات سے آزاد ہو کر پیش کرنے کی جسارت بڑھ رہی ہے، نتیجۃً یہ تاثر عام ہو رہا ہے کہ فقہِ اسلامی کا قرآن و سنت کے مقابلے میں ایک الگ تصور ہے، نئی تحقیقات میں بسا اوقات حدیث اور فقہ کے درمیان ربط و تعلق کی صحیح نوعیت اور اس تعلق سے متقدمین کا متوارث و منقول منہج شعوری یا غیر شعوری طور پر نظروں سے اوجھل ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، حالانکہ دین و شریعت کا علمی ذخیرہ جن علوم و فنون کی شکل میں آج امت مسلمہ کے پاس موجود ہے، اُن سے صحیح استفادے کے لیے ضروری ہے کہ دورِ نبوی سے اِن علوم کے تسلسل کی صحیح و بے غبار تاریخی و شرعی حیثیت کو مستحضر رکھا جائے، اس کے بغیر کسی دینی موضوع کو انفرادی حیثیت سے زیر بحث لانا اور ایک پہلو کو لے کر جزوی طور پر غور و فکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچنے کی کوشش بسا اوقات علمی لغزش کا سبب بن جاتی ہے اور شکوک و شبہات کو راہ ملتی ہے، جزئیات پر غور کرتے ہوئے دین اور علوم دین کے کلیات پر نظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔

فقہِ اسلامی اور دین اسلام کے درمیان فرق اور فاصلہ کا تصور خواہ یہ فرق؛ جلی ہو یا خفی؛ایک نہایت خطرناک تصور ہے اور اگر یہ تصور مخفی ہو تو اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی آراء میں فنی اور اصولی کوتاہیوں اور علمی تلبیسات کو سمجھنا مزید مشکل ہوجاتا ہے۔

مذکورہ تصور کو اس تعبیر میں بھی پیش کیا جاتا ہے کہ:

> ''شریعت وہ ہے جو منزل من اللہ ہے اور فقہِ اسلامی؛ فقہاء کے ذاتی اجتہاد کا نام ہے، فقہ اسلامی کو شریعت اور دین کا درجہ نہیں دیا جاسکتا''۔

یہ تعبیر؛ دین و شریعت کے ہدم کے مترادف ہے، فقہ اور حدیث کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ فرق اور فاصلہ کی مروجہ سوچ کا اصل سرچشمہ یہی ذہنیت ہے، جس سے پھوٹنے والی قسم قسم کی لپٹ آج علمی معاشرے میں ظاہر ہورہی ہے، اس لیے تعرف الأشیاء باضدادہا اصول کے تحت پہلے اس بنیادی سوچ کا جائزہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد انشاءاللہ فقہ کی حقیقت و مصداق کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

مغربیت کا رائج کردہ تصور فقہ

آخری دور میں مغربیت کے زیر اثر جو جدید رجحانات اور نئے افکار پیدا ہوئے ہیں خصوصاً عالم اسلام میں اسلام کے مسلمہ حقائق اور محکم اصول کے تئیں یکے بعد دیگرے جن شکوک و شبہات کو ہر سطح پر رواج دیا گیا ہے، ان میں حدیث و فقہ کے درمیان ربط و تعلق کی نوعیت کا مسئلہ بھی شامل ہے اور بعض وجوہ سے یہ مسئلہ زیادہ حساسیت لیے ہوئے ہے، مغربیت کے داخلی فتنوں کو اجاگر کرنے والی نمایاں شخصیات نے اس کی نشاندہی کی ہے اور اور ثبوت و شواہد کے ساتھ اس کی تفصیلات پیش کی ہیں۔

مفتی محمد عبدہ کے نظریات کا تعارف

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف «الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية» میں مفتی محمد عبدہ کے افکار ونظریات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

«كان الشيخ محمد عبده من رواد الدعوة للتجدد، والدعوة إلى الملائمة بين الإسلام وبين الحياة في القرن العشرين، والتقدير الزائد للقيم الغربية ومحاولة التطبيق بينها و بين الإسلام، والحرص على تفسير الفقه الإسلامي وأحكام الشريعة تفسيرا يتناسب مع مطالب المدنية الجديدة والجيل الجديد، يقرب فى ذلك كثيرا إلى السيد أحمد خان في الهند، وتتجلى هذه النزعة في تفسيره و في فتاواه وفي كتاباته، وكل من جاء بعده من دعاة التجدد اقتبس من علمه، واغترف من بحره». [1]

"شیخ محمد عبدہ عالم عربی میں تجدد کے ابتدائی علم برداروں میں تھے، انھوں نے اسلام اور بیسویں صدی کی زندگی اور معاشرہ میں مطابقت پیدا کرنے کی پروزور دعوت دی، ان کے خیالات اور تحریروں میں مغربی اقدار سے گہرا تاثر پایا جاتا ہے اور وہ اسلام کی ایسی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ ان اقدار کے ساتھ میل کھانے لگے، اسی طرح سے وہ فقہ اور احکام شریعت کی

---

(۱) الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية، ص:۱۲۳، دار الندوة للتوزيع، لبنان، طبع ثاني ۱۳۸۸ھ

ایسی تشریح و تاویل کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں جس سے تمدن جدید کے مطالبات کی زیادہ سے زیادہ تکمیل ہوسکے، اس لحاظ سے ان میں اور سرسید احمد خاں میں بہت کم فرق نظر آتا ہے، مفتی محمد عبدہ کا یہ میلان ان کی تفسیر، فتاوی اور ان کی تحریروں میں صاف طریقے پر دیکھا جاسکتا ہے، ان کے بعد تجدد کے جو داعی پیدا ہوئے انھوں نے عام طور پر ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا اور ان ہی کا حوالہ دیا ہے"۔ (۱)

حضرت مفکر اسلامؒ نے (مغربی اثرات کی خطرناکی اور تجدد پسندی کی مضرتوں کے تحت) مفتی محمد عبدہ کے بارے میں فقہِ اسلامی کے تعلق سے جس نظریہ کی نشاندہی کی تھی وہ مبنی بر حقیقت تھا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے الفاظ میں:

"واقعہ یہ ہے کہ مغربی افکار کے استیلاء کے بعد مصر کے بعض "دانشوروں" نے مغربیت کی نشرواشاعت میں بھرپور حصہ لیا، "مفتی محمد عبدہ"، "سیّد رشید رضا" ان کے بعد "طٰہٰ حسین" اور "احمد امین" جیسے متجددین اسی ملک میں پیدا ہوئے جن کے افکار اور تحریروں نے پورے عالمِ اسلام کے تجدد پسند حلقے کو اسلحے فراہم کیے، یہاں تک کہ ازہر جیسا علمی مرکز بھی اس کی لپیٹ میں آگیا"۔ (۲)

شیخ الاسلام مصر کے مشہور مصنف شیخ خضری بک (۱۸۷۲ء/۱۹۲۷ء) کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی پر تبصرے کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ علّامہ خضری بلاشبہ ایک بڑے عالم ہیں؛ مگر وہ جس دَور سے تعلق رکھتے ہیں، اتفاق سے یہ

(۱) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، ص:۱۳۷، ۱۳۸، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، تیسرا ایڈیشن ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

(۲) جہان دیدہ، ص:۱۶۲، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، اشاعت ۱۴۳۱ھ۔

وہی دَور ہے جس میں عالمِ اسلام پر مغرب کے قلم اور تلوار کا حملہ ساتھ ساتھ ہوا ہے، اس دور کے وہ علماء جنھوں نے اپنے علم کا زیادہ مدار مطالعہ پر رکھ کر براہِ راست مستشرقین کو پڑھا ہے اُن کی تحریروں میں (شعوری یا غیر شعوری طور سے) ایک مرعوبیت کا احساس پایا جاتا ہے، جس کو اُن جگہوں پر بہ آسانی پڑھا جاسکتا ہے، جہاں انھوں نے اسلام پر کسی ''مغربی اعتراض'' کا جواب دیا ہے، ہندوستان میں مولانا شبلیؒ اور مصر میں علامہ خضریؒ علماء کے اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں ان حضرات کی نیک نیتی اور خلوص میں شبہ نہیں، ان حضرات نے خدمتِ دین کے جذبہ میں بڑی محنتیں اُٹھائی ہیں اور اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے؛ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ اگر اعتراض کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب دینے والے کا ذہن ان دونوں سے مرعوب ہو تو قدرتی طور پر جواب جواب نہیں رہتا، معذرت بن جاتا ہے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جہاد، نسخ اور غلامی کے جیسے مسائل پر مستشرقین نے جو اعتراضات کیے تھے یہ حضرات ان کا جواب خود اعتمادی کے ساتھ سینہ تان کر نہیں دے سکے؛ بلکہ ایک قسم کی ''معذرت'' پیش کی کہ یہ تمام چیزیں دراصل ہمارے یہاں ایک مجبوری کے تحت تھیں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا، اور اس میں ''معذرت کے لیے خود شریعتِ اسلام کے اندر بعض ایسی ترمیمیں کرگئے جو اس کے مزاج سے میل کھانے والی نہیں ہیں۔

یہ ایک غلط طرزِ فکر کی ابتداء تھی اور جب یہ ترمیم تنسیخ کا دروازہ کھلا تو دشمنانِ اسلام کو ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا، پھر نت نئے مجتہدین نے اس دروازہ کو چوپٹ کھول کر اسلام پر وہ ستم ڈھائے کہ الامان! اور اسی ''خشت اوّل'' کے ''کج'' ہوجانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ''تجدّد'' کا مکتبِ فکر ناواقف

مسلمانوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکا ہے۔[۱]

الحاصل! فقہ کے بارے میں مفتی محمد عبدہ کا نظریہ ان کے شاگردوں کے ذریعے پھلتے پھولتے اِس تصور تک پہنچ گیا کہ دین و شریعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا: ایک ''شریعۃ اللہ'' اور دوسرے ''شریعۃ الفقہاء'' اور برملا یہ کہا جانے لگا کہ:

«إن الدين في كتاب الله غير الفقه» [۲]

مفتی محمد عبدہ کے شاگرد مصطفی المراغی کا تصورِ فقہ

چنانچہ شیخ محمد عبدہ کے خاص شاگرد مصطفی المراغی (سابق شیخ الازہر) اِس تصور کے نمایاں علم بردار بن کر سامنے آئے، مصر کے مشہور مجلہ ''الرسالہ'' کے شمارہ:۳۹۶/۱۹۴۱ء میں جامعہ ازہر کی ''کلیۃ الشریعہ'' کے استاد محمد محمد المدنی کا ''أسبوع في تاریخ الأزہر'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں موصوف نے ''جامعہ ازہر'' کی طرف سے منعقدہ ایک تاریخی جلسے کی تفصیلی رپورٹ پیش کی تھی، مضمون نگار نے شیخ الازہر کے اِس پیغام کو گویا اجلاس کا ایک تجدیدی و مصلحانہ پیغام قرار دیا تھا کہ:

«إن الدين في كتاب الله غير الفقه».

مضمون نگار کی رپورٹ کا متعلقہ حصہ اُن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

«ودارت المناقشة، وتجلت فيها حرية الرأي سافرة ليس

(۱) پیش لفظ بر کتاب تاریخ فقہ اردو ترجمہ تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۸،۷، دار الاشاعت، کراچی، اشاعت اول:۱۹۶۵ء۔

(۲) شیخ بسطامی محمد سعید نے اپنی مشہور کتاب ''مفہوم تجدید الدین'' میں مغربیت کے رائج کردہ تصورات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جس میں شریعۃ اللہ اور شریعۃ الفقہاء پر بھی تبصرہ کیا ہے، دیکھیے: مفہوم تجدید الدین، ص:۲۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر۔

من ورائها حجاب، سليمة لم تفسدها مداراة ولا مصانعة ولا تخوف. وانطلق العلم فيها على سجيته لا يتعثر في تركيب من تراكيب المؤلفين، أو لفظ من ألفاظ المصنفين-.

وكان من المبادئ الجليلة التي سمعناها ما قرره فضيلة الأستاذ الإمام المراغي من أن الدين في كتاب الله غير الفقه، وأن من الإسراف في التعبير أن يقال عن الأحكام التي استنبطها الفقهاء وفرعوا عليها، واختلفوا فيها، وتمسكوا بها حيناً، ورجعوا عنها حيناً: إنها أحكام الدين، وأن من أنكرها فقد أنكر شيئاً من الدين، فإنما الدين هو الشريعة التي أوصى الله بها إلى الأنبياء جميعاً؛ أما القوانين المنظمة للتعامل والمحققة للعدل والدافعة للحرج فهي آراء للفقهاء مستمدة من أصولها الشرعية تختلف باختلاف العصور والاستعدادات، وتبعاً لاختلاف الأمم ومقتضيات الحياة فيها، وتبعاً لاختلاف البيئات والظروف. ولو جاز أن يكون الدين هو الفقه مع ما نرى من اختلاف الفقهاء بعضهم مع بعض، وتفنيد كل آراء مخالفيه، وعدها باطلة، لحقت علينا كلمة الله: إن الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاً لست منهم في شيء». [1]

"اجلاس کے دوران مناقشات میں آزادئ رائے کا اظہار بلا حجاب کھل کر سامنے آیا، ظاہری رواداری، تصنع و تکلف اور خارجی خوف و اندیشہ نے

(۱) مجلۃ الرسالۃ، العدد: ۳۹۶، أسبوع في تاریخ الأزھر، موقف العقل، ص: ۲۰۸۔

مناقشات کو مکدر نہیں کیا؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) علم؛ مولفین کی ذاتی ترکیب اور مصنفین کی مصنوعی تعبیر سے آزاد ہوکر اپنی فطری روش پر چلتا ہوا محسوس ہوا، شیخ الازہر مصطفی المراغی کی زبانی ایک اہم اصول ہمارے سامنے یہ بھی آیا کہ کتاب اللہ میں جو کچھ دین مذکور ہے، وہ فقہ سے ہٹ کر ہے اور یہ تعبیر کا غلو ہے کہ فقہاء کے مستنبط کردہ احکام، اُن کی تفریعات اوران کے اختلافات کو دینی احکام کا درجہ دیدیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اُن احکام کا انکار؛ دین کے انکار کے مترادف ہے، حالانکہ دین صرف اُس شریعت کا نام ہے جو اللہ تعالی نے تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے اور جو اسلامی قوانین؛ باہمی معاملات، عدل وانصاف کے قیام اور معاشرے کو حرج وتنگی سے حفاظت کے لیے بنائے گئے ہیں، وہ فقہاء کی صرف اپنی آراء ہیں جن کو انھوں نے اصولِ شریعت سے اخذ کیا ہے، یہ قوانین؛ اختلاف زمانہ اور انسانی صلاحیتوں کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اور مختلف اقوام، زندگی کے تقاضوں اور حالات و ماحول کے بدلنے کے تابع رہتے ہیں، اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے کہ دین؛ فقہ کا نام ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کا آپس میں اس درجہ اختلاف ہے کہ ایک دوسرے کی آراء کو باطل تک گردانتے ہیں تو پھر فقہاء کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان برحق ہوگا کہ انھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا'' (نعوذباللہ)۔

یہ ہے وہ تاریخی وتجدیدی خودساختہ اصول جس کو مضمون نگار کے الفاظ میں ''جامعہ ازہر'' کے احاطے میں پہلی بار سنا گیا، پھر اس کو بنیاد بناتے ہوئے اُن قوانین کو بدلنے کی راہ آسان کرلی گئی جو برسوں سے مصر کی اسلامی عدالت میں نافذ چلے آرہے تھے، چنانچہ خواتین کے پردے کا سرے سے انکار کردیا گیا، نکاح، طلاق اور وراثت کے بعض متفق علیہ مسائل میں ترمیم وتبدیلی کردی گئی؛ بلکہ بات الحاد تک پہنچ گئی، جنت اور جہنم کو بھی ایک اختلافی مسئلہ

قرار دیدیا گیا اور معجزات نبوی میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اسی پس منظر میں علامہ کوثریؒ کا یہ جملہ مشہور ہوا:

«اللّامذهبية قنطرة اللّادينية».

''لامذہبیت (فقہاء کے مذاہب کا پابند نہ ہونا) الحادولادینی تک پہنچنے کا ایک پل ہے''[1]

شیخ مراغی کی فکر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو بنیادی طور پر تین امور سامنے آتے ہیں:

(۱) فقہاء کے مستنبط کردہ احکام اور اُن کی تفریعات کو دینی احکام کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے، دین صرف اُس شریعت کا نام ہے جو اللہ تعالی نے تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے۔

(۲) فقہاء کے اجتہادات ان کی ذاتی آراء ہیں، جو زمانے کے حالات و ماحول کے تابع ہیں۔

(۳) فقہی اختلافات؛ امت میں تفرقہ کا سبب ہیں۔

---

(۱) علامہ کوثریؒ کا اس عنوان پر ایک مقالہ ہے جو المکتبۃ الازہریۃ للتراث/مصر ۲۰۰۶ء میں مستقل شائع ہوا اور مقالات الکوثری میں بھی شامل ہے۔

فقہاء کے استنباطات کی شرعی حیثیت

امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ایک چشم کشا تحریر

مذکورہ اجزاء میں سب سے خطرناک پہلا جزء ہے کہ فقہاء کے استنباطات کو دین کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ بات قطعاغلط ہے، استنباطاتِ فقہاء کی حیثیت بلاشبہ دین و شریعت ہی کی ہے، اس تعلق سے امام ربانی فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ [1] کا یہ چشم کشا اصولی اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ”کتاب اللہ منزل من اللہ تعالیٰ ہے اور حدیث؛ رسول اللہ ﷺ کی بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہے حکماً لقولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ۝٤﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ۚ﴾ اور استنباطات مجتہدین علیہم الرحمۃ کے بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہیں؛ کیوں کہ جو کچھ اشارات و دلالات نصوص سے مستخرج ہیں وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے کہ یہ امر مقرر ہے کہ

(۱) جو امام العصر علامہ کشمیریؒ کی نظر میں فقیہ النفس، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی نظر میں ابوحنیفہ عصر کا مقام رکھتے تھے اور حضرت حکیم الامتؒ کے نزدیک آپ کا کوئی مماثل نہیں تھا؛ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ احقر نے سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خود سنا ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ حضرت گنگوہیؒ کو ابوحنیفہ عصر فرمایا کرتے تھے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۱۵، مکتبۃ الحق، جوگیشوری، ممبئی)

قیاس مظہر حکم کا ہوتا ہے نہ مثبت حکم کا، پس جو کچھ مجتہد نے استنباط فرمایا وہ عین حکم حق تعالیٰ کا ہے، پس اس آیت نے سب افراد امت کو حکم کتاب و سنت کا جو صریح معلوم ہو یا باستنباط ہو قبول کرنا فرض کر دیا ہے، لہٰذا اس سے کسی اہلِ ایمان کو انحراف نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ ظاہر کتاب و سنت سے سب مسائل معلوم نہیں ہو سکتے، ہزارہا جزئیات و مسائل ہیں کہ قیامت تک واقع ہوتے چلے جاتے ہیں، اگر حکم قیاس و اجتہاد کا نہ ہوتا تو کیوں کر جواب واقعات کا دریافت ہو سکتا تھا؟ یہ کام ہر ایک عامی کا تو نہیں، اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِى ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ﴾ الخ قال المفسرون أولو الأمر هم أهل العلم والبصر والعقول الراجحة. قال الشوكاني والنواب صديق حسن خان: وفي هٰذه الآية إشارة إلى جواز القياس وإن في العلم ما يدرك بالنص ومنه مايدرك بالاستنباط وهو القياس على الكتاب والسنة. انتهی اور بخاریؒ نے اپنی کتاب میں باب ضبط کیا ہے بایں ترجمہ «باب من شبّه أصلا معلوما بأصلٍ مبين.» پس یہی قیاس اور استخراج مسائل ہے کہ تعلیم اُمّت کے واسطے شارع علیہ السلام نے کیا ہے"اھ (سبیل الرشاد، ص:۳۶،۳۷،مطبع مجتبائی، دہلی)

آج کے دور کی ایک نئی بحث فقیہ النفس حضرت گنگوہیؒ کے چند اصولی جملوں سے پانی ہو گئی، اس اقتباس کے حرف حرف سے آپ کا تفقہ، مثالی تصلب، فکر و نظر کی غیر متزلزل پختگی اور رسوخ فی العلم جھلکتا ہے، یہ حقیر بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے جو قلبی اطمینان اور شرح صدر حاصل ہوا، وہ کسی دوسری تحریر سے حاصل نہیں ہو سکا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

حضرت گنگوہیؒ کے مذکورہ اقتباس کی قدرے تشریح کے لیے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"قیاس کی اصل حقیقت کا حاصل تو یہ ہے کہ جس امر کا حکمِ شرعی نص اور اجماع میں (اگرچہ پوشیدہ طور پر موجود ہے؛ لیکن) صریحا بیان نہ کیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ (پوشیدہ طور پر تو ضرور موجود ہوگا؛ کیونکہ) کوئی امر شریعت میں مہمل (و متروک) نہیں ہے جس کے متعلق کوئی حکم نہ ہو، خواہ وہ امر معادی ہو یا معاشی؛ اس لیے کہا جائے گا کہ حکم تو اس کا بھی شرع میں وارد ہے؛ مگر بوجہ خفاء دلالت؛ خفی ہے، پس ضرورت ہوگی اس حکم خفی کے استخراج کی۔۔آگے طریقہ استخراج کی تفصیل لکھنے کے بعد حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: پس در حقیقت مثبت حکم نص ہی ہے، قیاس اس کا محض مظہر ہے"۔ (اگر نص میں حکم موجود نہ ہو تو محض قیاس سے حکم ثابت نہیں ہوسکتا اور قیاس کے واسطے سے نص سے ظاہر ہونے والے حکم کو اٹکل اور گمان نہیں کہا جاسکتا) (۱)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اصولی اقتباس

شیخ مراغی کی سوچ سر سید احمد خان صاحب کی فکر میں بھی نظر آتی ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے مشہور مکتوب میں نظریات کی فہرست کے تحت یہ نظریہ بھی لکھا تھا کہ:

"دینِ احکام؛ اُن مجموعِ احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں"

---

(۱) الانتباہات المفیدہ، ص:۹۹، انتباہ ہفتم، تصحیح و تحقیق مولانا حکیم فخر الاسلام صاحب مظاہری، ناشر: مجمع الفقہ الاسلامی الدولی دیوبند، اشاعت اول ۱۴۴۲ھ۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

”دین اُن احکام کا نام تو یقینی ہے جو یقینی ہیں اور اُن احکام کا نام ظنی ہے جو ظنی ہیں، یعنی احکام یقینیہ کو یقینا دین سمجھنا چاہیے اور احکام ظنی کو ظنا دین کہنا چاہیے، بہر حال اِطلاقِ دین دونوں پر چاہیے، پر فرق مراتب علم کے لیے یقین و ظن کی قید کا اضافہ ضرور ہے“۔[۱]

حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی رحمہا اللہ کی تصریحات کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت نہیں تھی؛اس لیے کہ علامہ کشمیریؒ کے بقول:

”حضرت گنگوہی فقیہ مجتہد تھے تو حضرت نانوتوی اصول و عقائد میں ہمارے امام تھے اور حضرت گنگوہی فروع و جزئیاتِ فقہ میں ہمارے پیشوا اور رہنما تھے، دونوں حضرات کی برکت سے ہمارا علم خوب منقح اور روشن ہوا، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی باقی نہ رہی“۔[۲]

---

(۱) تصفیۃ العقائد، ص: ۱۲۳،۱۲۲، تیرہواں اصول،مجمع الفکر القاسمی الدولی، دیوبند، اشاعت اول ۱۴۴۳ھ/۲۰۲۱ء، تحقیق وتشریح: حضرت مولانا حکیم فخرالاسلام صاحب مظاہری) حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: مدلول ظنی بھی مدلول نص ہی ہے تو جس طرح قطعیات کو قطعا مدلول نص کہا جاتا ہے، اسی طرح ظنیات بھی ظنا مدلول نص ہیں خواہ بلا واسطہ قیاس کے خواہ بواسطہ قیاس کے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح الانتباہات المفیدہ، ص: ۱۶۶ تا ۱۶۸، بحوالہ: اشرف التفاسیر: ۴/۹۷ تا ۹۹۔

فائدہ: اس بحث میں مزید تشفی کے لیے تصفیۃ العقائد کا چھٹا اور آٹھواں اصول بھی دیکھنا چاہیے، جس میں حضرت نانوتویؒ نے استخراج فقہاء کی حیثیت، اجتہادی اقوال میں فقہاء کا منصب، فقہاء کے قول کے انکار کا حکم، فقیہ کا مرتبہ و مقام، شرائط اجتہاد کے بغیر اجتہاد کی مثال اور منصوص اور ظنی احکام سے متعلق نہایت گہرے اصول ذکر فرمائے ہیں۔

(۲) دیکھیے: ماہنامہ الرشید کا دار العلوم دیوبند نمبر، تقریر علامہ کشمیریؒ، یہ خطاب علامہ کشمیریؒ نے سید =

تاہم اطمینان وتشفی کے لیے مزید تصریحات پیش کی جاتی ہیں:

حضرت محدث کبیرؒ کا مدلل کلام

ابوالمآثر، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمان اعظمی قدس سرہ لکھتے ہیں:

"تحلیل وتحریم اشیاء کے باب میں تحقیقی مسلک یہ ہے کہ یہ تنہا خدائے تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اسی کا کام ہے، وہ اس میں منفرد ہے اور یہ خالص اسی کا حق ہے، کسی دوسرے کو اس میں کسی نوع سے دخل نہیں ہے، نہ بالذات کسی کو یہ اختیار حاصل ہے نہ بہ تفویض الٰہی؛ چنانچہ شیخ محقق کمال الدین ابن الہمام حنفی تحریر فرماتے ہیں:

«اَلْحَاکِمُ لَاخِلَافَ فِي أَنَّهُ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ». (۸۹/۲)

"اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے"۔

اور علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:

«لَاحُکْمَ إِلَّا مِنَ اللّٰهِ تَعَالیٰ». (ص/۱۲)

=

رشید رضا مصری کے دار العلوم دیوبند آمد پر استقبالیہ جلسہ میں عربی میں فرمایا تھا، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس خطاب میں جماعت دیوبند کا سلسلہ اسناد، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی خدمات، فقہائے حدیث کے طرق تحقیق: تحقیق مناط، تنقیح مناط، تخریج مناط، ائمہ حدیث کے مباحث اور مختلف مسائل میں ائمہ اربعہ کا طریق، علمائے دیوبند کا اسلوب، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کا تذکرہ، دار العلوم دیوبند اور اس کا نہج تعلیم و تدریس اور دارالعلوم اور اس کا توسط و اعتدال جیسے بیش بہا قیمتی عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے، عربی تقریر کا اردو ترجمہ خطبات دارالعلوم دیوبند (مرتبہ حضرت مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی) ۱/۱۵۷ تا ۱۷۵، میں ادارہ فکر اسلامی، افریقی منزل قدیم دیوبند سے طبع ہو چکا ہے۔

"حکم صرف اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے"۔

نیز یہ معلوم اور کتب اُصولِ فقہ میں مصرح ہے کہ تحلیل اور تحریم؛ حکم تکلیفی کی قسمیں ہیں اور حکم تکلیفی کی تعریف یہ ہے:

«خِطَابُ اللهِ تَعَالىٰ الْمُتَعَلِّقُ بِأَفْعَالِ الْمُكَلفِينَ طَلَبًا أَوْ تَخْيِيرًا». (دیکھو تحریر وغیرہ کتبِ اُصول)

اس تعریف پر شبہ ہوتا تھا کہ جو حکم حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت ہو اس پر تعریف صادق نہیں آتی؛ اِس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں؛ بلکہ آنحضرت ﷺ یا اہلِ اجماع یا مجتہد کا حکم ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور آں حضرت ﷺ یا اہلِ اجماع یا مجتہد اس کو صرف ظاہر اور بیان کرنے والے ہیں، شرح تحریر لابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

فَإِنْ قِيلَ اَلْحُكْمُ الثَّابِتُ بِالسُّنَّةِ أَوِالْإِجْمَاعِ أَوِالْقِيَاسِ لِأَفْعَالِ الْمُكَلَّفِينَ شَرْعِي وَهُوَ غَيرُ دَاخِلٍ فِي تَعْرِيفِ الْحُكْمِ؛ لِأَنَّهُ لَيسَ حُكْمُ اللهِ تَعَالىٰ بَلْ هُوَ حُكْمُ رَسُوْلِهِ أَوْ أَهْلِ الْإِجْمَاعِ قُلْنَا مَمْنُوْعٌ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ حُكْمَ النَّبِي دَلِيلُ حُكْمِهِ تَعَالٰى وَكَاشِفٌ عَنْهُ وَكَذَا الْبَاقِي فَلَاجَرَمَ أَنْ قَالَ والْحُكْمُ الثَّابِتُ بِمَاسِوَى الْكِتَابِ دَاخِلٌ فِي حُكْمِهِ تَعَالٰى لِأَنَّهُ أَي الْحُكْمُ الثَّابِتُ بِأَحَدِ هٰذِهِ خِطَابُهُ تَعَالىٰ وَالثَّلَاثَةُ كَاشِفَةٌ.

(ج/۲، ص/۷۹)

دیکھیے! کتنا صاف اعلان ہے اِس بات کا کہ آنحضرت ﷺ یا اہلِ اجماع یا مجتہدین حکم دینے والے نہیں ہیں، خود حلال و حرام فرمانے والے نہیں ہیں؛

بلکہ خدا کے حکم کو بیان فرمانے والے ہیں، یہ مضمون تلویح (ص ر ۳۰) اور علامہ اسنوی شافعیؒ کی شرح منہاج الاصول (ج ر ۱، ص ر ۲۲) علیٰ ہامش التحریر میں بھی مذکور ہے۔

اور اگر اس سے بھی زیادہ صاف سننا چاہتے ہو تو سنو! حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور اور بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وسر ذٰلك أن التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت أن الشيئ الفلاني يواخذ به أولا يواخذ به فيكون هٰذا التكوين سببا للمواخذة وتركها وهٰذا من صفات الله تعالىٰ وأما نسبة التحليل والتحريم إلى النبي صلّى الله عليه وسلم فبمعنى أن قوله أمارة قطعية لتحليل الله وتحريمه وأما نسبتها إلى المجتهدين من أمته فبمعنى روايتهم ذلك عن الشرع من نص الشارع أواستنباط معنى من كلامه. (ج/۱، ص/۴۹)

''اور اس کا راز یہ ہے کہ تحلیل و تحریم اُس تکوین کا نام ہے جو عالمِ ملکوت میں یوں نافذ ہوتی ہے کہ فلاں شئ پر مواخذہ ہوگا یا نہ ہوگا، پس یہی تکوین مواخذہ یا ترکِ مواخذہ کا سبب بنتی ہے اور یہ تکوین اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے، رہی تحریم و تحلیل کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف تو وہ اس معنیٰ میں ہے کہ آپ کا قول قطعی نشانی ہے اللہ کے حلال و حرام کرنے کی اور مجتہدین کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت اس معنیٰ میں ہے کہ وہ اس کو نص شارع سے روایت

کرتے ہیں یا کلامِ شارع سے استنباط کرکے بتاتے ہیں"۔ [۱]

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ

استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے فرزند، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رفیق کار، استاذ الاکابر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ (۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء۔ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) فرماتے ہیں:

"اول متکفل ان علوم کا قرآن شریف ہے اور شرح و تفصیل اس کی حدیث شریف کہ قول و فعل حضرت رسول مقبول ﷺ کا بیان ہے اور جو کچھ علماء، صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین نے عقائد اور طرز عمل، عبادات و عادات اور معاملات میں استنباط فرماکر بیان فرمادیا اور راہ سیدھی پر ہم معذوروں کو لگادیا، وہ علم فقہ و عقائد ہے اور قرآن و حدیث زبان عربی ہے، اس کی تحصیل کی بناء صرف، نحو، معانی اور ادب پر ہے"۔ [۲]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اب تم کو اشکال ہو رہا ہو گا کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ کو بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم قرآن و حدیث سے بالکل الگ تھلگ ہے، تو

---

(۱) اَعذب المشارع فی تحقیق الشارع ملقب بہ شارع حقیقی، ص: ۷ تا ۹، مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، مئو، اشاعت ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

(۲) خطبات دار العلوم دیوبند: ۱/۸۹، ادارہ فکر اسلامی، افریقی منزل قدیم دیوبند بحوالہ کیفیت جلسہ دستار بندی مدرسہ اسلامی دیوبند ۱۳۰۱ھ۔

سنو میں کٹرحنفی ہوں جیسے حافظ ابن حجر کٹر شافعی ہیں، فقہ؛ قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں؛ بلکہ یہ درایۃ الحدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ میں سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کرکے یہ لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہیے، دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہابنادیاتودر حقیقت فقہ وقرآن و حدیث کوئی الگ الگ چیز نہیں ہوئی، جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یاتولاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں، میری رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ علم فقہ؛قرآن و حدیث کے معارض و منافی نہیں؛ بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے کہ فقہاء نے غور وفکر کرکے قرآن و حدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کردیا جس کا نام علم فقہ ہوگیا"۔ [1]

شیخ مراغی کے تصور فقہ پر خلافت عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام کا مدلل تعاقب

خلافت عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام،عظیم فقیہ ومحقق شیخ مصطفی صبری توقادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۳ھ) (جن کے ہمارے اکابر میں سے علامہ بنوریؒ سے علمی روابط تھے) نے شیخ مراغی کے خودساختہ اصول کانہایت مدلل ومفصل جائزہ لیاہے،جوان کی آخری مایہ ناز تصنیف «موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمين وعباده المرسلين» میں کئی صفحات میں پھیلا ہواہے،اِس کتاب کی اہمیت کے لیے یہ لکھنا کافی ہے کہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی زبانی اس کو «كتاب القرن الرابع عشر » کانام دیاگیا۔ [2]

---

(۱) تقریر بخاری شریف اردو:۱/۳۳،جمع ترتیب:مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری،مکتبۃ الشیخ،کراچی۔

(۲) الإسناد من الدين، ص:۳۱، دار البشائر الاسلامية، الطبعة الثانية:١٤٣٥هـ-

حق تو یہ تھا کہ شیخ الاسلام کی شاندار بحث اپنی اہمیت کی وجہ سے یہاں مکمل پیش کر دی جاتی؛لیکن طوالت سے بچنے کے لیے صرف دو اقتباس ذکر کیے جاتے ہیں:

«أنا أقول:إن كان الأمر كما قال صاحب المقالة في مجلة الرسالة ولم يكن الفقه بمعنى العلم المدون المعروف هو الدين بعينه، فلا ريب في أن التفقه في الدين الذي هو الفهم المتقن للدين والذي اعتنى بشأنه في كتاب الله حيث قال تعالى: ﴿وَمَا كَانَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ١٢٢﴾ وفي سنة رسول الله حيث قال صلى الله عليه وسلم: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، رواه البخاري و مسلم في صحيحيهما متصل بالدين وأن الفقه أحق العلوم اتصالا بالدين، والفقهاء ولا سيما الأئمة المعروفون رحمهم الله أحق الناس بالتفقه في الدين المذكور في كلام الله ورسوله، فمحاولة قطع صلة الدين الإسلامي بعلم الفقه المتضمنة لدعوى الاستغناء عنه في الإسلام من الأستاذ المراغي شيخ أكبر من معهد ديني في العالم الإسلامي الحاضر، جديرة بأن تعد من أشراط الساعة.

وليس الفقه عبارة عن اختلاف الأئمة المجتهدين الذي بنى عليه الشيخ استهانته بعلم الفقه وإبعاده من

الدین؛ بل فیه مع قیاس الفقهاء کتاب الله و سنة رسوله وإجماع الأمة، فالإعراض عن الفقه بالمرة بسبب المسائل التی اختلف فیها أئمة المذاهب الإسلامیة یشبه کون السوفسطائیین المنکرین لثبوت أیة حقیقة وأیة معرفة، أخذوا أول أسلحتهم من وقوع الاختلاف بین آراء العقلاء؛بل بین آراء عاقل واحد في أزمنة مختلفة، فأنکروا وجود الحقیقة فیما اتفقوا علیه أیضا وفیما ثبتوا فیه أیضا.»

”اس بارے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ تفقہ فی الدین جس کی حقیقت دین کی پختہ فہم ہے اور جس کی اہمیت کو قرآن و حدیث میں اجاگر کیا گیا ہے، وہ دین ہی کے ساتھ ملحق ہے اور دین کے ساتھ الحاق و اتصال میں فقہ اسلامی؛ دوسرے علوم کی بنسبت زیادہ مستحق ہے، خصوصا مشہور ائمہ اِس تفقہ فی الدین کے سب سے بڑے مصداق ہیں، دین اسلام کا فقہ سے تعلق منقطع کرنے کی کوشش کو جو در حقیقت اسلام میں فقہ سے استغنائیت کے دعوی کے مترادف ہے؛ قیامت کی ایک علامت کہا جاسکتا ہے۔ (صحیح بات یہ ہے کہ) فقہ صرف ائمہ مجتہدین کے اختلاف کا نام نہیں ہے جس کو بنیاد بناکر علم فقہ کو دین سے خارج کر دیا گیا؛ بلکہ فقہ اسلامی کے اندر علمائے مجتہدین کے اختلاف کے ساتھ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت بھی شامل ہیں، ائمہ اسلام کے درمیان مختلف فیہ مسائل کی وجہ سے مجموعی فقہ سے اعراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے وجود حقیقت کا انکار کرنے والے سوفسطائی کہ ان کے انکار کا بھی ہتھیار یہی تھا کہ عقلاء کی آراء کے درمیان اختلاف ہے؛بلکہ ایک ہی شخص کی رائے مختلف

زمانوں میں الگ الگ ہوجاتی ہیں، پھر انھوں نے متفقہ اور ثابت شدہ حقائق کے وجود کا بھی انکار کردیا“[1]

شیخ مراغی کے تصور فقہ پر علامہ زاہد الکوثریؒ کا تحقیقی تبصرہ

مذکورہ خود ساختہ اصول کی تردید کرتے ہوئے علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«ثم سمعناه يجاهر بأن الفقه غير الدين، ليتوصل بذلك إلى إستساغة المخالفة لفقه الفقهاء مع أن الفقه هو الفهم الصحيح في الدين، قال الله تعالى:﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، فيكون ادعاء مغايرة معرفة الدين للدين فلسفة حديثة في الأزهر الحديث.»

”ہم نے رئیس ازہر (مراغی) کے بارے میں یہ بھی سنا کہ وہ ببانگِ دہل اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ فقہ؛ دین نہیں ہے، تاکہ فقہائے کرام کی فہم وسمجھ کی مخالفت کی راہ بسہولت بنائی جاسکے، حالانکہ فقہ؛ دین کے صحیح فہم ہی کا نام ہے، جیساکہ اللہ تعالی نے قرآن کریم کی آیت: ﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ میں اس کا ذکر فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، پس دین کی معرفت کو نفسِ دین کے متعارض قرار دینے کا دعوی ایک نیا فلسفہ ہے جو اس سے پہلے جامعہ

(۱) مکمل بحث کے لیے دیکھیں: موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمین وعبادہ المرسلین: ۳۰۷/۴تا ۳۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی: ۱۴۰۱ھ۔

ازہر میں کبھی نہیں سنا گیا“[۱]

علامہ زاہد الکوثری کا ایک مفصل علمی مقالہ

علامہ کوثریؒ نے ایک دوسرے مقالے میں «الدّین والفقہ» عنوان کے تحت اس موضوع پر مفصل کلام کیا ہے، موضوع کی اہمیت کی وجہ سے علامہ کوثریؒ کا مکمل مضمون یہاں پیش کرنا موزوں معلوم ہوتا ہے:

أي صاح يستسيغ أن يفوه بأن الفقه غير الدين في كتاب الله، يغايره ويباينه مطلقا مفهوما وصدقا وتحققا ليستبيح بذلك انتهاك حرمة «الفقه في الدين» مع أن الفقه ماهو إلا معرفة الدين، فلاتتصور مغايرة علم الدين للدين، ولامخالفة العلم لمعلومه إلا عند من لايميز بين الأشخاص فضلا عن المعاني بغفوته، ولابين المقدم والمؤخر ببالغ غفلته.

وما أسخف ادعاء أن الدين ما هو إلا الكلمة التي هي سواء بين المسلمين وغيرهم -لاالفقه- إزاء قوله تعالى: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝١٢٢﴾[۲]

وقوله صلَّى الله عليه وسلم: «إذا أراد الله بعبد خيرا

(۱) مقالات الکوثری، ص:۲۰۳، مظہر جدید فی الازہر الحدیث، العقیدۃ المتوارثۃ والفقہ المتوارث، دار السلام، قاہرہ، طبع رابع ۱۴۳۶ھ۔

(۲) الآية ۱۲۲ من سورة التوبة.

فقهه في الدين وألهمه رشده» إلى غير ذلك من الآيات والأحاديث الكثيرة.

أم يمكن أن يري عاقل تنافي الشيء والعلم به ليمكنه إنكار فقه الدين مطلقا بدون إنكار الدين، وهذا مبدأ إليه المنتهي في السخف.

وأما تنازع الفقهاء في الربع من مسائل أبواب الفقه لتجاذب الأدلة الأحكام، وتفاوت الأفهام بعد اتفاقهم على ثلاثة أرباع المسائل، فلايسيغ انتهاك حرمة الفقه مطلقا، بل الدين ينص على أن المجتهد المخطئ بريء الذمة مأجور، والمجتهد المصيب يضاعف له الأجور.

وأما الدين في كتاب الله فهو الطاعة لله فيما أمر به من الاعتقاد الصحيح والعمل الصالح والخلق الكريم. فمن عرف الفقه بقوله: «معرفة النفس مالها وماعليها» أدخل الثلاثة فيه كما أدخلها في الدين من عرف الدين بقوله: «وضع إلهي سائق للبشر إلى ما هو خير له في الدارين» قال الله تعالى: ﴿هُوَ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ ٣٣﴾[1]

وقال جل شأنه: ﴿أَنۡ أَقِيمُواْ ٱلدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُواْ فِيهِۚ﴾[2]

---

(۱) الآية ۳۳ من سورة التوبة.

(۲) الآية ۱۳ من سورة الشوريٰ.

وليس الدين هنا هو الإيمان بما يجب تصديقه فقط بل يشمله والطاعة له تعالى في أحكامه في العبادات والمعاملات والأخلاق، وتلك الأصول القويمة هي الأصول المشتركة بين الأنبياء عليهم السلام، فمن أقامها فقد أقام الدين، ومن نبذ أحدها فقد -أصبح في عداد الذين تفرقوا فيه، وقد جعل الله سبحانه لكل نبي شرعة ومنهاجا يلزم أمته التمسك بها بأدلة قائمة ينصاعون لها مدة بقاء شريعة كل نبي، ومعرفة فقهاء الأمة المحمدية لجزئيات تلك الأصول -القاضية بالطاعة له تعالى في الاعتقاد والعمل والخلق- من أدلتها التي أقامها الله لهذه الأمة هي الفقه فتكون الطاعة لأحكام تلك الأدلة عين الدين فلايكون الاختلاف في الفروع بحسب الأدلة القائمة على شيء من التفرق في الدين، بل ذلك محض إقامة للدين، قال الله تعالى: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾[1]

وليس شأن العالم بعد اعترافه باستناد المسائل الخلافية -الدائرة بين النفي والإثبات- على أصولها الشرعية؛ سوي أن يبره على الراجح منها إن كان أهلا للإبراه، لانبذ جميعها والاستهانة بها بدون ترجيح إحداها بحجة.

وأما ما أقر الفقهاء في كتب قواعد الفقه وكتب

(۱) الآية ٤٨ من سورة المائدة.

الأشباه والنظائر الفقهية باختلاف حكمه حسب اختلاف الزمان والمكان؛ فليس من الاختلاف في شيء، بل هو تفصيل للحكم بالنظر إلى حال وحال، فإدخال ذلك في الاختلاف المنبوذ إنما يكون من خلل في تعقل الموضوع.

وأما تخيل تغير الأحكام باختلاف الزمن مطلقا بدون نظر إلى ماقرره الفقهاء؛ فتنزيل لشرع الله منزلة الأحكام الوضعية، وذلك مما يأباه أهل الدين، وإنما التفرق في الدين هو نبذ الطاعة لله بالإيمان ببعض مافي الكتاب والسنة والكفر ببعض مافيهما بشتي الذرائع المصطنعة تكذيبا لقوله تعالى: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ۝٤﴾[1]

وأما قوله تعالى: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِى شَىْءٍ﴾[2]

ففيمن أخل بتلك الأصول معاندة فلايكون له أدني مناسبة للاختلاف في الفروع بسبب حالة الدليل في الدلالة وضوحًا وخفاء، وقد سبق أن ذلك من طاعة الله، على أن قراءة حمزة والكسائي «فارقوا دينهم» في موضع ﴿فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ﴾ متواترة أيضا فيجب حمل الآية على معنى تتفق القراءتان فيه وهو ماذكرناه.

(۱) الآية ٣-٤ من سورة النجم.

(۲) الآية ١٥٩ من سور الأنعام.

وأما تحكيم العرف على النصوص فلم يقع من مسلم ولن يقع، والتعامل بين المسلمين بالمعدنين المسكوكين من غير وزن إنما هو للعلم بوزنهما من قيام رقابة ساهرة عليه جد السهر، وليس ذلك من تحكيم العرف في شيء وقد ألممت بعض إلمام بأحكام العرف في مقالين: مقالة (شرع الله في نظر المسلمين) ومقالة (اللامذهبية قنطرة اللادينية) اللاحقتين. فلا أري حاجة إلى إعادة مافيهما.

ومن لايرفع رأسا إلى خلاف الفقهاء كيف يستبيح بعض الحرام لحاجة في النفس تعويلا على تقسيم بعضهم الحرام إلى حرام لذاته وحرام لغيره بالرأي بدون كتاب ولاسنة، وهذا هو محض التشهي مع ما في ذلك من فتح باب شر لايقفل.

علامہ کوثریؒ کی مفصل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''کس کی جرأت ہے جو فقہ اور دین میں امتیاز کو صحیح سمجھے اور یہ کہے کہ فقہ دین سے بالکلیہ الگ چیز ہے، نہ دونوں کا مفہوم ایک ہے نہ مصداق، پھر یہ دعویٰ کر کے فقہ فی الدین کی بے حرمتی کی راہ نکال لے؛ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ فقہ دین کی معرفت ہی کا نام ہے؛ لہٰذا اس بات کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ دین اور معرفتِ دین کے درمیان مغایرت اور شئ اور علم شئ کے درمیان مخالفت ہو، یہ تصور وہی کرسکتا ہے جو غفلت کے سبب نقوش کے درمیان امتیاز کی صلاحیت سے کورا ہو اور معانی سے اس کا دُور کا واسطہ بھی نہ ہو۔

یہ دعویٰ کتنا احمقانہ ہے کہ دین فقہ کے علاوہ صرف اسی کلمہ کا نام ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان متفقہ طور پر مسلّم ہے، یہ دعویٰ براہِ راست آیتِ قرآنی ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا۟ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُوا۟ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا۟ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ اور حدیثِ نبوی «إذا أراد الله بعبد خيراً فقهه في الدين وألهمه رشده» اور اس جیسی بہت سی احادیث وآیات کے مخالف ہے۔

رہی بات فقہاء کے اختلاف کی جو کہ ایک چوتھائی مسائلِ فقہیہ میں دلائل اور احکام کی کشمکش اور اختلاف افہام کے سبب پیدا ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے فقہ کی بے حرمتی بالکل بھی رَوا نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ ایک تو یہ اختلاف ایک ربع ہی میں ہے، تین ربع پر تو اتفاق ہی ہے، دوسرے یہ کہ دین میں اس بات کی صراحت ہے کہ مجتہد مخطی بری الذمہ اور ماجور ہے اور مجتہد مصیب دوہرے ثواب کا مستحق ہے (بھلا بتاؤ! اگر اس کی خطا اجتہادی سے پیدا ہونے والا اختلاف مذموم ہوتا تو شریعت میں کیونکر اس کو ثواب ملتا؟)

در حقیقت دین اُن طاعات کا نام ہے جن کی بجاآوری کا حکم دیا گیا ہے جن کا خلاصہ "صحیح اعتقاد"، "عملِ صالح"، "بہترین اخلاق" ہے، دین کی تعریف ہے: «وضع إلهی سائق للبشر إلىٰ ما هو خير له في الدارين» اب دیکھیے! یہی تینوں چیزیں فقہ کی تعریف «معرفة النفس ما لها وما عليها» کے اعتبار سے فقہ میں بھی داخل ہیں، دیکھیے! اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾﴾ ایک

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أَنْ أَقِيمُواْ ٱلدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُواْ فِيهِۚ كَبُرَ عَلَى ٱلْمُشْرِكِينَ﴾ کہ ان آیات میں دین صرف تصدیق کا نام نہیں ہے؛ بلکہ تصدیق کے ساتھ عبادات، معاملات، اخلاق سے متعلق طاعات کو بھی شامل ہے اور یہ چیزیں تمام انبیاءِ سابقین میں اصل مشترک تھیں، جس نے بھی ان کو قائم رکھا، اُس نے اصل دین کو قائم رکھا اور جس نے کسی ایک چیز کو بھی پسِ پشت ڈالا وہ جماعت سے کٹ گیا۔

جب یہ بات ہے تو سنیے! اللہ تعالیٰ نے ہرنبی کو ایک شریعت اور طرزِ حیات دے کر بھیجا تھا جو کہ واضح دلائل کی شکل میں ان کے ساتھ آیا، پس ان کی امتوں پر اُن دلائل کی روشنی میں شریعت پر کاربند رہنا لازم تھا، اسی طرح امتِ محمدیہ کو بھی واضح دلائل کی شکل میں ایک شریعت ملی تو فقہاءِ امت نے ان دلائل سے جزئیات کا استنباط کیا اور ان دلائل پر عمل کی راہ کو آسان کردیا؛ لہٰذا جس طرح ان دلائل پر عمل کرنا دین پر عمل کرنا ہے اسی طرح ان سے مستخرج احکام پر عمل کرنا بھی عین دین ہی ہے، انہیں مستخرج احکام اور احکام کے علم کو "فقہ" کہتے ہیں۔

اور چونکہ ان جزئیات کے اُصول ودلائل ایک ہی ہیں؛ لہٰذا ان میں اختلاف کا ہوجانا تفرق فی الدین میں سے نہ ہوگا؛ بلکہ خالصتاً اقامتِ دین ہوگا۔

اِس بات کو جانتے ہوئے کہ مختلف فیہ مسائل اُصولِ شریعت ہی سے مستخرج ہیں کوئی نئی ایجاد نہیں ہیں کوئی بھی عالمِ دین جو کہ اصحابِ ترجیح میں سے ہوگا وہ ان میں سے راجح قول کی ترجیح کا ہی کام کرے گا نہ یہ کہ اہانت کے ساتھ ان تمام اقوال کو رَد کردے گا"۔ (۱)

(۱) مقالات الکوثری، ص ۷۶ تا ۷۸، دار السلام، قاہرہ، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کا مدلل کلام

قال المحدث الفقيه الشيخ محمد عوامه:

«إن هذه الأحكام الشرعية المستنبطة من الكتاب والسنة هي من الدين منسوبة إلى الكتاب والسنة، وليست أجنبية عنهما، وكما أن الكتاب والسنة هما المصدران الأساسيان للإسلام، ففقههما المستنبط منهما تابع لهما في المكانة لايجوز فصله عنهما، قال السيوطي في الإتقان أول النوع الخامس والستين:في العلوم المستنبطة من القرآن:قال الإمام الشافعي رضي الله عنه:جميع ما تقوله الأمة شرح للسنة، وجميع السنة شرح للقرآن اه وقال الشافعي أيضا:ليست تنزل بأحد في الدين نازلة إلا في كتاب الله الدليل على سبيل الهدى فيها اه ومعلوم أن الوقوف على سبيل الهدى فيها لايكون إلا عن طريق الاستنباط، فيلحق المستنبط بالمستنبط منه، مادام الاستنباط على طريق واضحة صحيحة.

بل لقد عمم الحكم في هذا:شيخ فقهاء عصره العلامة الشيخ محمد بخيت المطيعي رحمه الله تعالى في رسالته أحسن الكلام فيما يتعلق بالسنة والبدعة من الأحكام، فقال:

كل حكم من تلك الأحكام كان مأخوذا من الأدلةالأربعة صريحا أو اجتهادا على وجه صحيح:فهو حكم الله و شرعه و هدي محمد صلى الله عليه وسلم الذي أمرنا الله باتباعه؛ لأن رأي كل مجتهد حيث كان مأخذه من أحد الأدلة الأربعة المذكورة شرع الله في حقه وحق كل من قلده.

ورضي الله عن ريحانة السلف الإمام عبد الله بن المبارك فقد نبه إلى هذا المعنى بقوله:لا تقولوا:رأى أبي حنيفة رحمه الله، ولكن قولوا:إنه تفسير الحديث اه

كما نبه إلى هذا المعنى بأوضح من ذلك:ابن حزم رحمه الله فقال:جميع ما استنبطه المجتهدون معدود من الشريعة، وإن خفي دليله عن العوام، ومن أنكر ذلك فقد نسب الأئمة إلى الخطأ، وأنهم يشرعون ما لم يأذن به الله، وذلك ضلال من قائله عن الطريق.

ونقله مولانا العلامة الشيخ ظفر أحمد العثماني التهانوي رحمه الله و علق عليه بقوله:قلت:هذا قول ظاهري لا يرى القياس فانظر أدبه مع الأئمة المجتهدين أمناء الله على شرعه! ولعله قال ذلك بعد تأليفه لـ المحلى اه

ففقه الفقهاء أبي حنيفة وغيره من أئمة الإسلام في عشرات آلاف المسائل الفقهية إنما هو تفسير لسنة النبي صلى الله عليه وسلم وليس هو بدخيل على الإسلام، ولا برأي لهم نابع من مخترعات عقولهم غير معتمد على مصدر تشريعي أصيل، وحينما نقول:فقه أبي حنيفة وفقه الشافعي،

یکون معنی قولنا هذا:فهم أبي حنيفة، و فهم الشافعي، و......وهذا الفهم لأي شيء؟ إن هو إلا فهمهم لكتاب الله عز وجل وسنة النبي صلى الله عليه وسلم، ذلك لأن الفقه في لغة العرب:هو الفهم، كما هو معلوم، ففقه السنة والكتاب هو فهمهما». [1]

مشہور محدث وفقیہ شیخ محمد عوامہ دامت برکاتہم کے طویل اقتباس کا حاصل یہی ہے کہ کتاب و سنت سے مستنبط شرعی احکام بلاشبہ دین اسلام ہی کا جزء اور کتاب و سنت ہی کی طرف منسوب ہیں، دین سے ہٹ کر ان کا کوئی الگ تصور نہیں ہے، جس طرح نفس کتاب و سنت؛ اسلام کے دو بنیادی مصدر ہیں، اسی طرح ان کی فہم کا بھی درجہ ہے، فہمِ قرآن و سنت کو قرآن و سنت سے الگ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

لہذا تعبیر و اطلاق کے اعتبار سے دین اور فقہ کے درمیان فرق اور فاصلہ کا تصور ایک نیا تصور ہے۔

نص اور اجتہاد یا دین اور فقہ؟

ماقبل کی تفصیلات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ منصوص احکام کا جو درجہ ہے وہی درجہ مجتہد فیہ احکام کا بھی ہے، کتب فقہ اور اصول فقہ میں نص اور اجتہاد دو اصطلاح قدیم زمانے سے رائج ہیں، جن کے درمیان فرق ایک بدیہی امر ہے؛ لیکن اس قدیم اصطلاح کو بدل کر نص کی تعبیر دین سے اور اجتہاد کی تعبیر فقہ سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے، فقہائے کرام نے نص اور اجتہاد کے فرق کو بلاشبہ ملحوظ رکھا ہے؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر شرعی احکام کی درجہ بندی، یعنی: احکام کے مراتب: فرض، واجب، سنت، ادب، حرام، مکروہِ

---

(۱) أثر الحديث الشريف، ص:۱۴۶تا۱۵۱، دارالیسر، مدینہ منورہ، الطبعۃ الثامنۃ ۱۴۳۹ھ۔

تحریری و تنزیہی کی تشریح جس کی بنیاد دلائلِ شرعیہ، عملِ متوارث اور سلف سے منقول فقہ کی تہوں میں غور وفکر پر تھی؛فقہائے کرام کا زبردست کارنامہ ہے جو بجائے خود ان کی درایت اور نص فہمی کا بین ثبوت ہے اور یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فقہائے کرام نے دلائلِ شرع، ائمہ مذہب کی روایات، مشائخ کی تخریجات، طبقاتِ فقہاء اور طبقات مسائل وغیرہ کی تفصیلات میں جس باریک بینی اور تدقیق کا مظاہرہ فرمایا ہے، اس کا مقصد یہی ہے کہ شرعی احکام کے مراتب و درجات منقح ہو جائیں اور شریعت مطہرہ جو منزل من اللہ ہے، وہ اپنی حقیقت واصلیت کے ساتھ امت کے سامنے آجائے۔

شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کا ایک اقتباس

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ شرعی احکام کے مراتب و درجات کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک مسئلہ کی پوری حقیقت وہ ہے جو بحرالعلوم نے ''رسائل الارکان'' میں تحریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ماہیت کے اجزاء اہمیت اور غیر اہمیت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے، ایک درخت میں جڑ، شاخیں، پتیاں، ٹہنیاں سب اس کے اجزا کہلاتے ہیں؛ مگر ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے یہ تمام اجزا ایک حیثیت نہیں رکھتے، اسی طرح زید میں ہاتھ، پیر، سر، دل، دماغ وغیرہ سب اس کے اجزا شمار ہوتے ہیں؛ مگر ان اجزا میں پھر اتنا بڑا تفاوت نظر آتا ہے کہ بعض کے کٹ جانے سے درخت باقی رہتا ہے اور بعض کے کٹنے سے درخت کی صرف زینت میں فرق پڑتا ہے اور بعض کے کٹنے سے اس کے نمو میں نقصان پیدا ہوجاتا ہے اور بعض کے کٹنے سے درخت کی حقیقت ہی ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح زید کے اگر ہاتھ پیر قطع کردیے جائیں تو پھر بھی اس کو زید ہی کہا جاتا ہے؛ لیکن اگر اس کی گردن کاٹ دی جائے تو پھر وہ انسان نہیں رہتا؛ بلکہ اس کا ایک ڈھانچہ رہ جاتا ہے جس کو اب زید کہنا صرف اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ پہلے اس ڈھانچے پر زید کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا، پس

جس طرح خارج میں کسی ماہیت کے اجزا میں حکم کا اتنا تفاوت موجود ہے، اسی طرح فقہانے شرعی ماہیات کے اجزا میں بھی یہی فرق سمجھا ہے، نماز کے بعض اجزا وہ ہیں جن کے نقصان سے نماز کی زینت میں فرق آتا ہے اور بعض سے اس کی حقیقت میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور بعض سے نماز کا اسم اطلاق کرنا ہی درست نہیں رہتا، پہلی قسم مستحبات، دوسری واجبات اور تیسری فرائض وارکان کہلاتی ہے۔ رہا یہ کہ ان مراتب کا اندازہ کیسے ہو؟ تو یہ اندازہ آں حضرت ﷺ کے بیان اور عمل سے ہوتا ہے، بعض اجزا کے ترک سے آپ نے اس عمل کو ناقص، قابل اعادہ قرار دیا اور بعض کے ترک سے گو ناقص کہا؛ مگر اس کا اعادہ لازم نہیں کیا اور بعض کی وجہ سے اس عمل کا ہونا نہ ہونا برابر سمجھا، جب آپ کے فرمان میں یہ تفاوت موجود ہے، اِدھر قرآن ﴿اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کہہ کر نماز کا تقاضا کر رہا ہے تو لامحالہ فقہا کو یہ غور کرنا پڑا کہ نماز میں وہ اجزا کون سے ہیں جن کے ادا کر لینے سے خدا کا مطالبہ پورا پورا ادا ہوجاتا ہے اور وہ کون سے ہیں جن کے ترک سے ناقص ادا ہوتا ہے اور وہ کون سے جن سے نماز کی صرف زینت میں فرق پڑتا ہے، اصل حقیقت فوت نہیں ہوتی، فقہا نے صرف ہماری سہولت کے لیے ان اجزا کے علٰیحدہ علٰیحدہ نام تجویز کر دیے ہیں؛ تاکہ تعلیم و تعلّم میں آسانی ہوجائے، اگر منکرینِ حدیث کو ان ناموں سے چڑ ہو تو وہ ان ناموں کو استعمال نہ کریں؛ مگر کیا اس حقیقت سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ نماز کے اجزا سب برابر کے اجزا نہیں؟ پس فرض وواجب کا فرق صرف دلیل کے قطعی یا ظنی ہونے کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ دراصل خود ان اجزا کی حقیقت کی وجہ سے ہے جو جزء واجب ہے، وہ در حقیقت اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی کہ فرض، اسی طرح جو مستحب ہے وہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی کہ واجب؛ اِس لیے صیغۂ امر ایک ہی

رہتا ہے؛مگر مطالبہ کی اہمیت میں خود اس جز کے اہم اور غیر اہم ہونے کے لحاظ سے فرق پڑجاتا ہے''۔[1]

(۱) ترجمان السنۃ:۱/۱۲۰، بشریٰ، کراچی، اشاعت ۱۴۳۷ء/۲۰۱۶ء)مشہور فقیہ شیخ محمد بن حسن الحجوی (۱۲۹۱ھ)جن کو شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے اپنی مشہور کتاب «تراجم ستة من فقهاء العالم الإسلامي في القرن الرابع عشر» میں شامل کیا ہے؛شرعی احکام کے مراتب ودرجات پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخذ أحكام الفقه الخمسة من القرآن والسنة:

لا يخفى أن ما يوجد في الشريعة من الأحكام منحصر في خمسة:الوجوب، والندب، والحرمة، والكراهة، والجواز، وذلك أن أفعال المكلفين قسم منها رضيه الله، وقسم سخطه، وقسم لا رضى فيه ولا سخط.فالأول يشمل الواجب والمندوب، والثاني:الحرام والمكروه، والثالث هو الحلال.وطريق الحصر فيها أن طلب الشرع للفعل إما أن يكون جازمًا أو لا، الأول الوجوب، والثاني الندب، وطلبه للكف بغير كفٍّ إما جازم أو لا، الأول الحرام، والثاني المكروه، والخامس وهو الحلال أن لا يطلب فعلًا ولا تركًا بل يخير ويعبر عنه بالجائز، أما ما يعبَّر عنه بالسنة فهو من قبيل المندوب، وما يعبر عنه بخلاف الأولى فهو من قبيل المكروه، ولهذا اصطلح أئمة الفقه والأصول على الأحكام الخمسة، وتجد أبواب الفقه محتوية على بيان الواجبات والمندوبات والمحرمات والمكروهات والجائزات.والحنفية يفرقون بين الفرض وهو ما ثبت وجوبه بقطعي كالقرآن ومثاله الصلوات الخمس، والواجب وهو ما يثبت كصلاة الوتر، ولا فرق بينهما عند غيرهم.

كيف أخذ الفقهاء هذه الأحكام من القرآن؟

غير خفي أن القرآن ليس من الأوضاع البشرية الموضوعة لبيان علم من العلوم بمصطلحاته، بل هو كلام الله الذي أنزله على عبده لينقذ الناس من
=

فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت

جہاں تک فقہی اختلاف کا معاملہ ہے تو واضح رہنا چاہیے اس کو بنیاد بناکر فقہاء کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا، اُن کو تفرقہ کا سبب گرداننا اور زمانے کے گذرنے کے ساتھ ان کے اجتہادات کو ناقابل عمل سمجھنا؛ قطعاغلط ہے۔

=

الظلمات إلى النور، جعله في أعلى طبقات البلاغة ليحصل الإعجاز وتثبت النبوة وساقه مساق البشارة والإنذار والوعظ والتذكير ليكون مؤثرًا في النفوس رداعًا لها عن هواها، سائقًا لها بأنواعٍ من التشويق إلى الطاعة وترك المعصية، والفصاحة من أعظم المؤثرات على عقول البشر بتنوع العبارة التي تؤدى بها تلك الأحكام، ومن طبيعة البشر أن يملَّ من عبارة واحدة ولا يحصل بها التأثير المطلوب فلو قيل في كل مسألة:هذا واجب، هذا مندوب، هذا حرام، هذا مكروه، هذا جائز لتكرر اللفظ ولم تكن هناك الفصاحة المؤثرة فلذلك تجد القرآن تارة يعبر ببعض الألفاظ المصطلح عليها كالحرمة والحلية، قال تعالى:﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ ﴿وَلا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلالٌ وَهَذَا حَرَامٌ﴾ ، ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ﴾ ويعبر في الوجوب بمادة فرض:﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ﴾

(مکمل بحث کے لیے دیکھیں:الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی:۱/۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

حضرت گنگوہیؒ کا ایک اقتباس

حضرت گنگوہی قدس سرہ لکھتے ہیں:

"یہ قول غیر مقلدین کا کہ فقہ میں بہت اختلاف ہے اور احادیث میں نہیں؛ یہ بالکل غلط ہے، شاید ان لوگوں نے مشکاۃ بھی نہیں دیکھی، محض نام حدیث کا سن لیا، احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، یہ کلام محض دھوکہ دہی ہے، جس کا دل چاہے دیکھ لے کہ احادیث بخاری کی خود باہم متعارض ہیں اور یہی سبب اختلاف فقہاء و مجتہدین کا ہوا ہے، پس معلوم ہوا کہ فقہاء کا اختلاف بسبب اختلاف احادیث کے ہوا ہے اور عمل فقہ پر کرنا بعینہ احادیث پر عمل کرنا ہے"۔ [1]

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ کی ایک قیمتی تحریر

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ظاہر بینوں کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے، اجتہادی مسائل میں اختلاف ناگزیر ہے اور ہر فریق کو دوسرے کے مسائل پر تنقید کا پورا پورا حق حاصل ہے، اگر کسی فن میں تنقید کو ممنوع قرار دے دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ فن کبھی ترقی نہیں کر سکتا، مسلمانوں نے فن استنباط و اجتہاد کو جو اِس درجہ اوجِ کمال پر پہنچایا کہ زندگی کے ہر مسئلہ کا حل وہ شریعت کی روشنی میں تلاش کر لیتے ہیں اور ان کا قانون فقہ ہر حیثیت سے مکمل اور جامع ہے اس کی اصل وجہ ان کی یہی علمی

(۱)　تالیفات رشیدیہ، ص:۵۰۶، مکتبۃ الحق، جوگیشوری، ممبئی۔

بحث وتمحیص ہے جس سے نصوص پر غور کرنے اور ان سے استنباط مسائل کے سارے طریقے منقح ہوکراور نکھر کرامت کے سامنے آگئے"۔ (۱)

فقہی اختلاف کی حقیقت پر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کا مضبوط کلام

علامہ کشمیری کے ممتاز تلمیذ، فیض الباری کے مرتب اورالبدر الساری کے مصنف حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاہکار تصنیف "ترجمان السنۃ" میں تدوین دین کے فطری ارتقاء عنوان کے تحت فروعی اختلافات کی حقیقت پر نہایت مضبوط کلام فرمایاہے، ملاحظہ فرمائیں:

"فطری ارتقا، احساسِ ضرورت اور جذباتِ خدمت کی بنا پر جس طرح قرآن صحف سے مصحف، مصحف سے مصاحف اور مصاحف سے اعراب وسُور ورکوعات کے مدارجِ ارتقائی طے کرتا چلا آیا اور بلاشبہ اِن ارتقائی منازل کے بعد یہ قرآن وہی قرآن تھا جو دَورِ اوّل میں موجود تھا، اِسی طرح سنت کے بھی ارتقائی دَور ہیں، گو قرآن وسنت کے مراتب کے لحاظ سے عملِ انسانی کو یہاں کچھ زیادہ آزادی حاصل ہوئی، اِس لیے وہ دَورِ صحابہؓ سے گزر کر دَورِ مجتہدین میں اور منضبط ہوئے، پھر اس انضباط میں کچھ اور ترقیات ہوئیں اور ایک زمانہ تک حدیث وفقہ ایک ہی جگہ مدوّن چلتے رہے، اسی احساسِ ضرورت نے پھر مجبور کیاکہ دونوں فن علیٰحدہ علیٰحدہ کردیے جائیں، شروع میں صرف یہ قدم بھی نیااور قابلِ اعتراض معلوم ہوا، آخر کار اس کے فوائد دیکھ کر تمام دنیانے اس کومانااور

---

(۱) امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۹۱، بشریٰ، کراچی، اشاعت ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء۔

تمام علماء کی یہی متفقہ پالیسی بن گئی۔

اِس فطری ارتقا اور تکوینی اسباب کے ماتحت لاکھوں اہلِ علم اور کروڑوں انسانوں میں یہ دین بہ حیثیت مجموعی سفر کر رہا ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کا نام شافعیت وحنفیت رکھ کر دنگل قائم کردو یا اسے انحطاطِ دَور کے لحاظ سے قدرت کی ایک اعانت تصور کرلو، جس نے تمہاری سہولت کے لیے تمہاری ضرورت کے بہ قدر، مرتّب شدہ دین تمہارے گھروں تک پہنچادیا ہے۔

حنفیت وشافعیت کا اختلاف بھی دین میں کوئی اُصولی اختلاف نہیں ہے، نہ یہ اختلافِ اہواء پر مبنی ہے، نہ اتباعِ متشابہات کا نتیجہ ہے، نہ علمِ سلف سے بے خبری اس کی بنیاد ہے؛ بلکہ «اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ» کا وہ حصہ ہے جو ہر زمانہ میں بقدرِ ضرورت امتِ مرحومہ میں تقسیم ہوتا رہا ہے، اگر نااہلوں اور بے علموں نے اس کو پارٹی بندی کا ذریعہ بنالیا ہے تو یہ قصور اُن کا ہے۔

«اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ» کا مطلب یہ ہے کہ میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے، اس کی شرح میں علما کے مختلف خیال ہیں: قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عملی اختلاف میں ہمارا یہ بڑا فائدہ رکھا ہے کہ اب اگر کوئی شخص ان میں کسی کے مطابق بھی عمل کرلے تو اس کے لیے اتنی گنجائش نکل آئی ہے۔

ابنِ وہبؒ اس کی مزید تشریح نقل فرماتے ہیں:

قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ مجھے خلیفۂ عدل عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بہت پسند ہے کہ مجھ کو یہ تمنا نہیں ہوتی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہ ہوتا، اگر کہیں مسائلِ دینیہ میں ایک ہی قول ہوتا تو بعض صورتوں میں لوگوں

کے لیے وہ عملی تنگی کا باعث ہوجاتا؛لیکن اب ان کے اختلاف سے دین میں عمل کی مختلف راہیں نکل آئیں؛ چوں کہ وہ ہمارے مقتدیٰ ہیں؛اِس لیے اب اگر ان میں کسی کا قول اختیار کرلیا جائے تووہ بھی دین کی ایک سنت پر عمل سمجھا جائے گا۔

اس کا بظاہر حاصل یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چوں کہ زیرِ سایۂ نبوت تربیت یافتہ تھے، شریعت کے اغراض ومقاصد کو پوری طرح سمجھنے اور رعایت کرنے والے تھے؛اِس لیے ان کے اختلاف کی وجہ سے ایک عمل کی جو مختلف صورتیں پیدا ہوئیں وہ سب دین ہی کی راہیں کہلائیں گی اور سب مقبول ہوں گی،اگر ان کے اختلاف کی بدولت ہمارے سامنے یہ مختلف صورتیں نہ آتیں اور ایک عمل کی ایک ہی صورت ہوتی تو بعض حالات میں اسی ایک صورت پر عمل کرنا دشواریوں کا موجب بن سکتا تھا، اس بنا پر ان کے اختلاف کے رحمت ہونے کا مطلب دین میں عملی وسعت ہوگا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کو یہاں ایک اور دشواری پیش آگئی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی کج فہم اس کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ ہر شخص کواِس بات کا حق ہے کہ حسبِ خواہش وہ جب چاہے جس صحابی کا قول چاہے اختیار کرسکتا ہے، یہ بالکل غلط ہے؛اِس لیے فرماتے ہیں:یہ بات طے شدہ ہے کہ شریعت کے ہر ہر مسئلہ میں جزوی جزوی مصلحت کے علاوہ ایک کلی مصلحت بھی ہے، جزوی مصلحت تو خاص اس مسئلہ کی دلیل اور حکمت سے ظاہر ہوتی ہے؛لیکن کلی مصلحت یہ ہے کہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقادی، قولی، عملی، ہر پہلو میں آئینِ شریعت کا مقیّد رہے اور ایک سانڈ کی طرح آزاد نہ رہ سکے، اس کی ہر ہر نقل وحرکت شریعت کے اشاروں پر ہو۔

اس کے بعد پھر قاضی اسماعیل رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آں

حضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف سے جو وسعت ہم کو حاصل ہوئی ہے وہ دین میں اجتہاد کرنے کی وسعت ہے؛ کیوں کہ ان کا اختلاف اس کی دلیل ہے کہ غیر منصوص مسائل میں انھوں نے اجتہاد کیا ہے اور اس اجتہاد ہی کی وجہ سے ان میں اختلافات پیدا ہوئے، اختلافات کے رحمت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف افعال میں ہر شخص کو بے دلیل اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کا حق حاصل ہوگیا ہے۔

ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے قاضی اسماعیل رحمہ اللہ کی رائے پسند کی ہے اور اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں اس پر مفصّل کلام کیا ہے۔

قاضی اسماعیل رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ گوناگوں واقعات اور مختلف حوادث کے لیے ہمیشہ نص صریح کا ملنا تو دشوار ہے؛ اِس لیے اُمت کے لیے دینی مسائل میں اجتہاد کرنا ایک ناگزیر مسئلہ تھا، جس کے لیے متاخرینِ اُمت کو ابتدائی قدم اُٹھانا بہت مشکل ہوجاتا، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلافات ہوئے اور معلوم ہوا کہ یہ اختلافات اُن کے اجتہاد کی وجہ سے پیدا ہوئے تو اب اُمت کے لیے بھی اجتہاد کا جواز نکل آیا، یہی وہ رحمت ہے کہ جس کی طرف «اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ» میں اشارہ کیا گیا ہے، اگر ان میں یہ اختلافات نہ ہوتے تو یہ ثابت ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ ہم سے پیشرو اُمت نے دین کے باب میں اجتہاد کیا ہے یا نہیں، ان حالات میں ہمارے لیے از سرِ نَو اجتہاد کا دروازہ کھولنا بہت مشکل تھا، ادھر اجتہاد کرنا مشکل، اُدھر ہر جزئی مسئلہ میں نصِ صریح ملنا ناممکن، پھر دین کی مشکلات حل ہوتیں تو کیوں کر ہوتیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اختلاف نے ہماری یہ مشکل حل کردی اور اب عملی طور پر ہمارے لیے اجتہاد کا اُسوہ حسنہ ثابت ہوگیا، اختلاف کے رحمت ہونے کا یہ

مطلب غلط ہے کہ ہر شخص کو اپنے اہواء کے موافق صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں انتخاب کر لینے کا حق حاصل ہے؛ کیوں کہ اس کا مطلب تو بالفاظِ دیگر یہ ہے کہ شریعت کی کسی پر کوئی گرفت ہی نہیں؛ کیوں کہ بعض مرتبہ مسائلِ فروعیہ میں اختلاف نفی واثبات کا اختلاف ہوجاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کا کوئی عمل، نفی واثبات کے دائرہ سے عقلاً باہر نہیں رہ سکتا، پس اس تقدیر پر اگر ہر شخص کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے افعال میں انتخاب کا حق حاصل ہوجائے تو اس کا جو عمل بھی ہوگا وہ یقیناً شریعت کے دائرہ میں کہلائے گا اور شریعت کا وجود وعدم برابر ہوجائے گا اور آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سرے سے شریعت کے مقاصد کلیہ کے بالکل برخلاف ہے وہ انسان کو اتنا آزاد چھوڑنا پسند نہیں کرتی''۔ [1]

(۱) ترجمان السنۃ: ۱/۸۱ تا ۸۵، بشریٰ، کراچی، اشاعت ۱۴۳۷ء/۲۰۱۶ء۔

قرآن و سنت کی فہم صحیح میں
فقہائے کرام کی وجہِ امتیاز

قرآن و سنت کے فہم و ادراک میں فقہائے کرام؛ بالخصوص ائمہ متبوعین کی رائے زیادہ معتبر مانی جائے گی؛ اس لیے کہ وہ کتاب و سنت کی نصوص اور ان کے معانی کو زیادہ جاننے والے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا کلام

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ «رفع الملام عن الأئمة الأعلام» میں لکھتے ہیں:

«إن هذه الدواوين المشهورة في السنن إنما جمعت بعد انقراض الأئمة المتبوعين ---الذين كانوا قبل جمع هذه الدواوين كانوا أعلم بالسنة من المتأخرين بكثير؛ لأن كثيرا مما بلغهم وصح عندهم قد لا يبلغنا إلا عن مجهول؛ أو بإسناد منقطع؛ أو لا يبلغنا بالكلية فقد كانت دواوينهم صدورهم التي تحوي أضعاف ما في الدواوين وهذا أمر لا

يشك فيه من علم القضية». [1]

”احادیث نبویہ کی مشہور تصانیف ائمہ متبوعین کے بعد وجود میں آئی ہیں، یہ ائمہ کرام متاخرین کے مقابلے سنت کا علم زیادہ رکھتے تھے؛اس لیے کہ اُن تک پہنچنے والی بہت سی حدیثیں ان کے نزدیک صحیح تھیں؛لیکن ہم تک مجہول یا منقطع سند کے ساتھ پہنچی ہیں یا ہم تک بالکل ہی نہ پہنچ سکیں، ائمہ کی کتابیں در حقیقت ان کے وہ صدور تھے جن میں بعد میں مدون شدہ تصانیف سے کئی گنا زیادہ حدیثیں محفوظ تھیں، سنت و شریعت کا گہرا علم رکھنے والے کے لیے اس حقیقت کے اعتراف میں ذرا بھی تردد نہیں ہو سکتا“۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ایک پر مغز اقتباس

”ایسا کون مسلمان ہوگا کہ احادیث نبوی کے اصل العلوم اور منبع العلوم ہونے میں متامل ہو؟ احادیث نبویہ بے شک جمیع علوم فقہ و کلام و تفسیر وغیرہ کی اصل ہیں؛مگر اکثر حضراتِ زمانہ حال علم حدیث کے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ جس میں اسمائے روات وصحت وسقم وغیرہ امور متعلقہ الفاظ حدیث سے بحث کی جاے وبس اور خدمت حدیث امور مذکورہ ہی میں سعی وتحقیق کرنے کو خیال کرتے ہیں، حالانکہ اس امر کا خلاف عقل و نقل ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ احادیث متعدّدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ مقصود اصلی احادیث نبوی سے تفقہ مسائل و احکام ہے، الفاظ بذاتہ مقصود نہیں؛بلکہ موقوف علیہ امر مقصود کے ہے؛دیکھیے:حدیث میں وارد ہے:

---

(۱) رفع الملام عن الأئمة الأعلام، ص:۱۷، ۱۸، أسباب ترك الحديث، السبب الأول، من لم يبلغه الحديث، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية، الرياض.

«نضر الله امرأ سمع مقالتي، فبلغها، فرب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه» تروتازہ رکھیں اللہ تعالی اس شخص کو جس نے میری بات سنی، پھر اس کو دوسروں تک پہنچایا، پس بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے۔ (ترمذی، رقم:۲۶۵۶، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السامع)

یعنی وہ نص کو جانتے ہیں؛ مگر وہ مضمون کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتے اور بہت سے فقہ کے حامل اس نص کو ایسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ مضمون کی تہہ تک پہنچنے والے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود اصلی نقل احادیث سے فقہ مسائل ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تفقہ؛ فقط حفظِ الفاظ حدیث کا نام نہیں اور نہ حفظِ الفاظ کو تفقہ لازم؛ بلکہ وہ ایک مرتبہ عالی ہے کہ حفظ الفاظ وملاحظہ معنی الفاظ حدیث کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اسی امرِ مقصود کی وجہ سے تبلیغ احادیث کا ارشاد فرمایا، تو اب ظاہر ہے کہ جن علماء کو مرتبہ تفقہ فی الدین حاصل تھا، وہ اول نمبر کے محدث اور خادم حدیث ہوں گے اور تفقہ فی الدین میں جتنا کسی کا قدم بڑھا ہوا ہوگا، اسی قدر وہ اوروں سے اعلی اور اشرف ہوگا، اسی وجہ سے یہ ارشاد ہوا: «من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين» أو كما قال، اللہ تعالی جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کو دین کا فہم عطا فرماتے ہیں، کمالِ علم حدیث یہ نہیں ہے کہ فقط الفاظِ حدیث کی تحقیق کرلی اور ترجمہ الفاظ ظاہری سمجھ لیا ورنہ ارشاد «رب حامل فقه غير فقيه» کی کیا ضرورت تھی؟ حفظِ الفاظ وترجمہ الفاظ تو ہر ایک صحابی کو جیسا حاصل تھا، اس سے زیادہ کوئی کیا جان سکتا ہے، حفظِ الفاظ کا تو یہ حال ہے کہ بلا واسطہ الفاظِ حدیث

ان کو پہنچے تھے اور پہلے جب ان کو حفظ الفاظ میسر ہو سکا، تب کہیں نقل کی نوبت آئی اور ان کے واسطے سے یہ دولت اوروں کو نصیب ہوئی، باقی رہا ترجمہ الفاظ سو وہ اہل زبان تھے، کوئی غیر زبان کا آدمی صرف و نحو وادب و معانی جس قدر چاہے یاد کرلے؛ مگر اہل زبان پھر اہل زبان ہی ہوتے ہیں ۔ (۱) اگر تفقہ معانی حدیث؛ حفظِ الفاظ و ترجمہ ہی میں منحصر تھا تو پھر حضرات صحابہ کے روبرو آپ ﷺ کا ارشاد مذکور فرمانا کس وجہ سے تھا۔

بالجملہ حفظِ الفاظ حدیث و ترجمہ دانی الفاظ حدیث کو تفقہ مطالب لازم نہیں؛ ہاں تفقہ معانی بدون حفظ الفاظ وغیرہ نہیں ہو سکتا، تو اب فقیہ وہی ہوگا کہ جو پہلے الفاظِ حدیث سن سنا لے اور ان کو کماینبغی محفوظ کرلے؛ ہاں حفاظتِ الفاظ حدیث و تحقیق اسماء الرجال وغیرہ امور متعلقہ الفاظ کو تفقہ معانی ضروری نہیں تو اب جیسا محققین الفاظ حدیث کو خادمِ حدیث کہا جائے گا تو مستنبطان معانی حدیث کو بالاولی خادم حدیث کہنا پڑے گا، اُن کو حافظ حدیث کہنا مناسب ہوگا تو اِن کو عالمِ حدیث سمجھنا لائق ہوگا۔

اِس تقریر سے بشرط انصاف ہر کوئی یقین کرے گا کہ خدمت معانی حدیث میں ائمہ مجتہدین بالخصوص ائمہ اربعہ سب میں بڑھے ہوئے ہیں اور اس

---

(۱) حضرت گنگوہی قدس سرہ لکھتے ہیں: صحابہ جو عربی داں تھے اور فصاحت و نکات اپنے کلام کے جانتے تھے، قرآن و حدیث کے معنی کو حضرت سے اور باہم تحقیق کرتے تھے اور مقصد و معانی کے سیکھنے کی ضرورت جانتے تھے، مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس برس میں سورہ بقرہ کو سیکھا، یہ معانی پڑھتے تھے یا الفاظ، الفاظ کو پڑھنے کی ان کو کیا ضرورت تھی؟ (تالیفات رشیدیہ، ص:۲۱۰، مکتبۃ الحق، جوگیشوری، ممبئی۔

نعمت عظمی سے جیسااِن کو حصہ عنایت ہوا ہے ایسااُن کو میسر نہیں ہوا کہ جو معانی فہم حدیث میں ان سے کم تھے، دیکھیے: یہ حضرات اربعہ احادیث نبویہ و آیات قرآنی سے بذریعہ تفقہ خداداد کے وہ اصول و جزئیات مستنبط کر کے لوگوں کو عنایت کر گئے کہ قیامت تک جمیع امت کے کام آئیں اور اتباع سنت سے دائیں بائیں نہ ہونے دے، تو جیسا امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ ائمہ حدیث؛ الفاظ حدیث کی کما ینبغی تحقیق و تفتیش کر کے ان کو محفوظ فرما گئے ہیں اور اس کے خلاف اب کسی کا قول معتبر نہیں، اسی طرح پر حضرات ائمہ مجتہدین کوشش بلیغ فرما کر معانی و احکام حدیث کو منضبط کر گئے ہیں، اس کے خلاف بھی اب اگر کوئی اپنے اجتہاد نارسا سے کچھ لب کشائی کرے تو ہر گز قابل قبول اہل نظر نہ ہوگا''۔ (۱)

محدثین و فقہاء دونوں کی عظیم خدمات اور دائرہ کار کے تعلق سے شیخ الہند قدس سرہ کا یہ اقتباس آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ نے اپنے محبوب استاد کے بارے میں بجا طور پر لکھا تھا کہ:

''فطرتاً آپ کو نہایت ذکی، ذہین، نہایت وقاد طبیعت، نہایت قوی حافظہ، نہایت صحیح دماغ عطا کیا گیا تھا''۔

یہ حقیر بندہ بلا مبالغہ عرض کرتا ہے کہ ایک مبصر حاذق کے اس مختصر اقتباس کو جتنی بار پڑھتا ہوں، ہر بار وہ بات یاد آتی ہے جو آپ کے دوسرے شاگرد رشید، سلطان القلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی تاثراتی تحریر میں لکھی ہے کہ:

''شیخ الہندؒ کے اجمالی اشاروں کا وزن روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے، آپ حد سے زیادہ ثاقب ذہن اور غیر معمولی وقاد فطرت کے حامل ہیں، ژرف نگاہی

(۱) ایضاح الادلہ، ص: ۵۴ تا ۵۶، شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم دیوبند، طبع: ۱۴۱۳ھ۔

اور تہہ تک پہنچنا آپ کی خصوصیت ہے، آپ کی تقریر کو سن کر دل کی گرہیں وا ہوتی چلی جاتی ہیں "[۱]

شیخ الہند کے پر مغز اقتباس کی شرح

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا پر مغز اقتباس ایک متن کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی شرح مستقل تصنیف کی متقاضی ہے، طوالت سے بچنے کے لیے اپنے دور کی تین مشہور شخصیتوں کے قلم سے اس کی شرح پیش کرتا ہوں:

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد، متکلّم اسلام، مفسر، محدث اور فقیہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"دین کا دارومدار دو چیزوں پر ہے: نقلِ صحیح اور فہم صحیح؛ لہٰذا ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے کہ جو شریعت کے الفاظ کی محافظ ہو اور الفاظِ شریعت کو بہ تمام وکمال امت تک پہنچادے، یہ جماعت محدثین کی ہے اور ایک جماعت ایسی چاہیے کہ جو شریعت کے اَغراض ومقاصد اور اُصول وفروع کی توضیح وتشریح کرے اور اللہ اوراُس کے رسول ﷺ کی صحیح صحیح مراد امت کو سمجھائے، یہ جماعت فقہاء اور مجتہدین کی ہے، حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں:

ولما كانت الدعوة إلى الله والتبليغ عن رسوله شعار حزبه المفلحين، وأتباعه من العالمين وكان التبليغ عنه من عين تبليغ ألفاظه وما جاء به وتبليغ معانيه كان العلماء من

(۱) احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، ص:۱۴۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور، طباعت ۱۴۱۸ھ۔

أمتـه منحصرين في قسمين: أحدهما: حفاظ الحديث، وجهابذته، والقادة الذين هم أئمة الأنام وزوامل الإسلام، الذين حفظوا على الأئمة معاقد الدين ومعاقله، وحموا من التغيير والتكدير موارده ومناهله القسم الثاني: فقهاء الإسلام، ومن دارت الفتيا على أقوالهم بين الأنام، الذين خصوا باستنباط الأحكام، وعنوا بضبط قواعد الحلال والحرام؛ فهم في الأرض بمنزلة النجوم في السماء، بهم يهتدي الحيران في الظلماء، وحاجة الناس إليهم أعظم من حاجتهم إلى الطعام والشراب، وطاعتهم أفرض عليهم من طاعة الأمهات والآباء بنص الكتاب، قال الله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم إلى آخره . (إعلام الموقعين: ۱/ ۹)

چونکہ دعوت الی اللہ اور تبلیغ عن الرسول جماعت مفلحین کا شعار ہے اور تبلیغ کی دو قسمیں ہیں، ایک: تبلیغ الفاظ کی اور ایک تبلیغ معانی کی؛ اِس لیے علماءِ امت دو قسموں میں منحصر ہوگئے، ایک قسم حفاظِ حدیث کی ہے جنھوں نے حدیث کو یاد رکھا اور حدیث کو پرکھا، کھرا اور کھوٹا الگ الگ کردیا، یہی لوگ مخلوق کے امام اور مقتدا ہیں اور اسلام کی سواری ہیں، انھیں حضرات نے دین کی یادگاروں اور اسلام کے قلعوں کی حفاظت کی اور شریعت کے حوضوں اور چشموں کو متغیّر اور مکدر ہونے سے بچایا، دوسری قسم علماء کی فقہاءِ اسلام اور علماءِ فتویٰ ہیں، جن کے فتوے پر مخلوق کا دارومدار ہے، یہی جماعت اجتہاد اور استنباطِ احکام اور حلال وحرام کے قواعد کے ضبط کرنے کے لیے مخصوص ہے، حضراتِ فقہاء زمین میں

ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے،انھیں کے ذریعہ حیران کواندھیری رات میں راستہ ملتا ہے اور لوگوں کو طعام اور شراب سے بڑھ کر فقہاء کی حاجت ہے اور لوگوں پر فقہاء کی اطاعت ماں باپ کی اطاعت سے زیادہ فرض ہے جیسا کہ قرآن کی نص موجود ہے:اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو، یعنی فقہاء کی اطاعت کرو یعنی کتاب وسنت کا جو مطلب سمجھائیں اُس پر عمل کرو۔

امام شعرانیؒ میزان (ص ر ۶۳۰) میں لکھتے ہیں:

امام حمدان بن سہل فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں قاضی ہوتا تو ان دوآدمیوں کو ضرور قید کرتا کہ جو حدیث کا طالب ہو اور فقہ نہ طلب کرے اور جو فقہ کا طالب ہو اور حدیث کو طلب نہ کرے، دیکھو تو سہی کہ ائمہ مجتہدین نے حدیث اور فقہ دونوں کو طلب کیا صرف ایک پر اکتفا نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تر و تازہ فرمائے اُس بندہ کو جس نے میری حدیث کو سنا اور اس کو یاد کیا اور خوب یاد رکھا اور دوسروں تک اس کو پہنچادیا؛ کیونکہ بعضے علم کے حامل اور نقل وروایت کرنے والے خود سمجھدار نہیں ہوتے اور بعضے سمجھدار ہوتے ہیں؛ مگر جن کو یہ روایت پہنچاتے ہیں وہ اس راوی سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں آں حضرت ﷺ نے محدثین اور فقہاء کے فرائض کو ظاہر فرمادیا۔ محدثین کا فریضہ یہ ہے کہ روایتِ حدیث کو بلاکم وکاست فقہاء تک پہنچادیں اور فقہاء کا فرض یہ ہے کہ احادیث کے معانی سمجھادیں اور حدیث کے وہ محجوب اور مخفی حقائق اور معارف اور وہ غامض اور باریک دقائق اور لطائف جہاں تک راویانِ حدیث کی رسائی نہیں امت پر واضح اور آشکارا کردیں۔

اس حدیث میں اس امر کی صاف تصریح ہے کہ حافظِ حدیث کے لیے یہ ضروری نہیں وہ صاحبِ فہم بھی ہو، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے اس راوی کو محض حاملِ فقہ قرار دیا یعنی محض حامل اور ناقل ہے، خود فقیہ نہیں، فقیہ وہ ہے کہ فقہ اس کی صفتِ نفس ہو اور فقہ جس شخص کے حق میں صفتِ نفس نہ ہو اُس شخص کا تعلق فقہ کے ساتھ حامل ومحمول کا سا ہے، صفت وموصوف کا سا نہیں۔

اور مسائلِ اجتہادیہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ احادیث کی صحت اور علت میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے اور جس طرح موصول اور مرسل اور مرفوع اور موقوف اور صحیح اور حسن وغیرہ وغیرہ یہ اصطلاحات نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں؛ لیکن ائمہ حدیث نے حسبِ ضرورت زمانہ کلماتِ نبویہ اور احادیث کے الفاظ کی حفاظت کے لیے یہ اصطلاحیں وضع کیں جو عہدِ نبوت میں نہ تھیں، اسی طرح حضراتِ فقہاء نے کتاب وسنت کے معانی سمجھنے کے لیے عبارت النص اور اشارۃ النص اور ظاہر اور نص اور مفسر اور محکم وغیرہ وغیرہ کی اصطلاحات وضع کیں جو عہدِ نبوت میں نہ تھیں، پس جس طرح قواعدِ محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی رائے سے جس حدیث کو چاہے صحیح بتائے اور جس کو چاہے موضوع، اسی طرح اُصولِ فقہ کی پابندی اور اتباع ضروری ہے اور ہر کس وناکس کو اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھ کر جو چاہے معنیٰ سمجھے، اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی تبلیغ کرے، اگر اُصولِ فقہاء کی پابندی ضروری نہیں تو پھر اُصولِ حدیث کی بھی پابندی نہیں ہوگی، جرح وتعدیل اور تصحیح وتضعیف میں ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے ثقہ اور صدوق بتلائے اور جس کو چاہے کذاب ودجال اور وضاع الحدیث بتائے اور جس طرح ائمہ حدیث کی مساعی جمیلہ پر اطمینان کرکے احادیث کے رجال اور ان کی صحت اور ضعف

کو معرض بحث میں نہیں لایا جاتا اور ان کی علمی تحقیقات پر اعتماد کرکے بلا دلیل معلوم کیے ہوئے ان کے قول کو تسلیم کر لیا جاتا ہے؛ حالانکہ اسماء الرجال کی کتابیں اب بھی موجود ہیں۔

اسی طرح ائمہ مجتہدین کے تفقہ اور استنباط اور خداداد نورِ فہم اور نورِ فراست پر اعتماد کرکے ان کے فتاویٰ پر بلا دلیل معلوم کیے اور بلا جانچ و پڑتال کے عمل کر لینا بلاشبہ صحیح اور درست ہوگا، ان دونوں تقلیدوں میں اگر فرق ہے تو بتلایا جائے کہ وہ کیا فرق ہے کہ جس کی بنا پر محدثین کی تقلید تو فرض اور واجب ہوگئی اور فقہاء کی تقلید شرک اور حرام ہوگئی۔

حق تعالیٰ کی کروڑہا کروڑ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں حضراتِ محدثین پر اور حضراتِ فقہاء پر کسی نے ہم نابکاروں کو روایت پہنچائی اور کسی نے درایت اور معانی واحکامِ روایت۔

جس طرح ہم ائمہ قراءت اور ائمہ تفسیر دونوں ہی کے زر خرید غلام ہیں کہ ایک گروہ نے ہم تک کلامِ ربانی اسی طرح بلاکم و کاست پہنچایا کہ جس طرح جبرئیل امین علیہ السلام سیّد الاوّلین والآخر ﷺ پر لے کر نازل ہوئے تھے اور دوسرے گروہ نے ہمیں کلامِ ربانی کے حقائق اور معارف اور اس کی سحر بیانی سے ہمارے دل کی آنکھیں روشن کیں، اسی طرح ہم محدثین اور فقہاء دونوں ہی کے کفش بردار اور پیرو کار ہیں، اگر کتبِ حدیث نہ ہوتیں تو نبی کے اقوال وافعال کا علم کہاں سے ہوتا اور اگر کتب فقہاء نہ ہوتیں تو کتاب وسنت پر عمل کیسے کرتے، عمل تو بغیر معنیٰ سمجھے ہوئے نہیں ہوسکتا، قرآن وحدیث کا اصل مقصود اطاعت ہے اور اطاعت کا مدار معنیٰ پر ہے نہ لفظوں پر خوب سمجھ لو"۔ (۱)

(۱) اجتہاد و تقلید کی بے مثال تحقیق، ص:۱۶ تا ۲۲، وص:۱۰۲ تا ۱۰۴، علمی مرکز، انارکلی، لاہور۔

شیخ التفسیرؒ کے اس اقتباس کو پڑھ کر اُس واقعہ کا کچھ کچھ احساس ہوتا ہے جو مورخ اسلام سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خلقِ قرآن کے مسئلے پر کلام کرتے ہوئے پیش آیا تھا کہ:

"متکلّم اسلام کی مبرہن و مدلل تقریر کو سن سید صاحب جیسی شخصیت پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی تھی"(۱)

شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ کا مفصل اقتباس

متکلّم اسلام کا زریں اقتباس ذکر کرنے کے بعد اکابر دیوبند کے علوم و معارف کے قدرداں اور علامہ کوثریؒ کے علوم کے وارث و امین شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ کا یہ مفصل اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں:

«هذا النمط من العلماء والمحدّثين الفقهاء يعَدُّ نَزْرًا يسيرًا بالنظر إلى كثرة المحدِّثين الرواة والحفاظ الأثبات، إذ الحفظُ شيء والفقه شيء آخرُ أميزُ منه وأشرف، وأهم وأنفع، فإن الفقه دِقَّةُ الفهم للنصوص من الكتاب والسنَّة -عبارةً أوإشارةً، صراحةً أوكنايةً- وتنزيلُها منازلها في مراتب الأحكام، لاوَكْسَ ولاشَطَط، ولاتهوُّر ولاجمود.

وهذه الأوصاف عزيزةُ الوجود في العلماء قديمًا فضلًا عن شدةِ عزتها في الخلف المتأخر، ويخطئُ خطأ مكعبًا من يظن أويزعم أن مجرد حفظ الحديث أواقتناء كتبه والوقوف

---

(۱) مکمل واقعے کے لیے دیکھیے: علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات، پی ایچ ڈی مقالہ، ص: ۲۲۴، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور۔

عليه، يجعلُ من فاعل ذلك فقيها عارفًا بالأحكام الشرعية ودقيق الاستنباط.

فسَرْدُ الحديث وحفظه وروايتُه: غيرُ فهمه واستنباط معانيه علىٰ وجهها، إذ خلق الله تعالىٰ لكل علم أهلًا ينهضون به ويتميزون على سواهم.

الإمامة في علم تجتمع معها العامية في علم آخر:

ولاغضاضة في هذا، فالعلم رزقٌ وعطاء من الله تعالىٰ، وهو كثير وكبير وثقيل، ولايملك كلُّ إمام ناصية كل علم أراد معرفتَه، فقد قال الإمام أبوحامد الغزالي، وتَبِعَه الإمام ابن قدامة الحنبلي، في بعض مباحث الإجماع، في كتابيهما: «المستصفَي» و «روضة الناظر»، مامعناه: كم من عالم إمامٌ في علم، عامي في علم آخر.

وقال الإمام أبوحامد الغزالي في آخر رسالته: «قانون التأويل»: «واعلم أنَّ بضاعتي في علم الحديث مُزجاة». انتهىٰ.

ومثلُ هذه الكلمة المملوءة بالتواضع، لايقولها هذا الإمامُ العظيم والمحجاجُ الفريد حُجَّةُ الإسلام، لولا ماكان عليه من السلوك السُّنِي والخُلُق السُّنِّي: «أنتم أعلم بأمر دنياكم».

فهل رأيت في هؤلاء الأدعياء المدَّعين للاجتهاد، من ينصف الواقع والحق، فيقولُ عن

نفسِه فيما لايحسنه مثَل هذا؟!

خـلق الله للعلوم رجـالًا

ورجالًا لنفْشَةٍ ودَعَاوي!

فلاشـك في يسرـ الروايـة بـالنظر لمـن توجـه للحفـظِ والتحمـلِ والأداء، وآتـاه الله حافظـةً واعيـة، فلهـذا كـان المتأهلون للرواية أكثَرَ جدًا من المتأهلين للفقه والاجتهاد، روي الحافظ الرامَهُرْمُزِي في كتابه «المحدِّث الفاصِل بين الراوي والواعي»، بسنده عن أنس بن سيرين، قال:«أتيتُ الكوفة، فرأيتُ فيها أربعة آلافٍ يطلبون الحديث، وأربعَ مئةٍ قد فَقهُوا». انتهي.

وفي هـذا مايـدل عـلى أن وظيفـة الفقيـه شـاقةٌ جـداً، فلايكثُرُ عدَدُه كثرةَ عَدَدِ النَّقَلَةِ الرواة، وإذا كان مثلُ (يحيى القطانِ)، و (وكيع بن الجراح)، و (عبد الرزاق)، و (يحيى بـن معين)، وأضرابهم، لم يجرؤوا أن يخوضوا في الاجتهاد والفقه، فما أجرأ المـدَّعين للاجتهاد في عصرـنا هـذا؟! مع تجهيل السلف بلاحياءٍ ولاخجل، نعوذ بالله من الخذلان.

وجاء في «تقدمة الجرح والتعديل» لابن أبي حاتم، في ترجمة (أحمد بن حنبل)، وفي «مناقب الإمام أحمد» لابن الجوزي، وفي «تاريخ الإسلام» للذهبي -مخطوط-، من طريق ابن أبي حاتم، في ترجمة (أحمد بن حنبل) أيضًا، مايلي:

«قال إسحاق بن راهويه:كنتُ أجالسُ بالعراق أحمدَ بن حنبل، ويحيىٰ بن معين، وأصحابنا، فكنا نتذاكَرُ الحديث من طريق وطريقين وثلاثة، فيقول يحيىٰ بن معين من بينهم:وطريق كذا، فأقولُ:أليس قد صح هذا بإجماع منا؟ فيقولون:نعم، فأقول:مامرادُه؟ ماتفسيرُه؟ مافقهه؟ فيبْقَوْن -أي يسكتون مُفْحَمِين- كلُّهم! إلا أحمدَ بن حنبل». انتهي.

قال عبد الفتاح:هذا النص يفيدنا بجَلاءٍ أن المعرفة التامة بعلم الحديث -ولو من أولئك الأئمةِ الكبار أركانِ علم الحديث في أزهى عصور العلم- لاتجعلُ المحدّث الحافظ (فقيها مجتهدًا)، إذ لوكان الاشتغالُ بالحديث يجعلُ (الحافظَ): (فقيها مجتهداً)، لكان الحُفَّاظُ الذين لايحصَى عَدَدُهم، والذين بَلَغ حفظُ كلٍّ واحدٍ منهم للمتون والأسانيد، مالايحفظه أهلُ مصرـ من الأمصار اليوم:أولى بالاجتهاد، ولكنهم صانهم الله فمازعموه لأنفسهم.

بل إن سَيدَ الْحُفَّاظِ الإمام (يحيٰى بن سعيد القطان) البصري، إمامَ المحدِّثين، وشيخَ الجرح والتعديل:كان لايجتهدُ في استنباط الأحكام، بل يأخذُ بقولِ الإمام أبي حنيفة، كما في --«تذكرة الحفاظ» للحافظ الذهبي ١:٣٠٧، في ترجمة (وكيع بن الجراح)، وفي «تهذيب التهذيب» للحافظ ابن حجر ١٠:٤٥٠ في ترجمة أبي حنيفة النعمان بن

ثابت، قال أحمد بن سعيد القاضي: سمعت يحيٰى ابن معين -تلميذ يحيى القطان- يقول: سمعت يحيى بن سعيد القطان يقول: لانَكْذِبُ الله، ماسَمِعْنا رأيا أحسَنَ من رأي أبي حنيفة، وقد أَخَذْنا بأكثر أقوالِه». انتهى.

وكان إمامُ أهل الحفظ في عصره (وكيعُ بن الجراح) الكوفي، محدِّثُ العراق، لايجتهدُ أيضًا، ويفتي برأي الإمام أبي حنيفة الكوفي، ففي «تذكرة الحفاظ» للحافظ الذهبي ۱:۳۰۷، و «تهذيب التهذيب» ۱۱:۱۲۶-۱۲۷ «قال حُسَينُ بن حِبَّان، عن ابن مَعين --تلميذ وكيع-: مارأيتُ أفضلَ من وكيع، كان يستقبلُ القِبلة، ويحفظُ حديثَه، ويقومُ الليل، ويسرُدُ الصوم، ويفتي بقولِ أبي حنيفة».

وكذلك هؤلاء الحفاظُ الأئمةُ الأجلَّة، الذين عناهم الإمام إسحاق بن راهويه في كلمتِه المذكورة، ومنهم يحيى بنُ معين، كانوا لايجتهدون، وقد أخبرَ عنهم أنهم كانوا يفِيضون في ذكرِ طُرُقِ الحديث الواحِدِ إفاضةً زائدة، فيقول لهم: مامُرادُ الحديث؟ ماتفسيرُه؟ مافِقهه؟ فيبْقَوْن كلُّهم إلا أحمدَ بن حنبل».

وهذا عنوانُ دِينِهم وأمانتِهم وحصَافتِهم وورعهم، إذْ وَقَفوا عند مايحسنون، ولم يخوضوا فيما لايحسنون. وذلك لصعوبةِ الفقه الذي يعتمد على الدراية، وعُمقِ الفهم

للنصوص من الكتاب والسنة والآثار، وعلى معرفة التوفيقِ بينها، وعلى معرفةِ الناسخ والمنسوخ، وما أُجمِعَ عليه وماااختُلِفَ فيه، وعلى معرفةِ الجرح والتعديل، وقدرة الترجيح بين الأدلة، وعلى معرفةِ لغة العرب ألفاظًا وبلاغة ونحواً ومجازاً وحقيقة...

وإنما أكثرت من هذه الوقائع، لأولئك الحفاظ الكبار والمحدِّثين الأئمة، التي تبين منها أن الحفظ شيء، والفقه وفهم النصوص شيء آخر، لأن عَدَدًا من الناس في عصرنا، يخيل إليهم أن كثرة الكتب التي تَقذِفُ بها المطابعُ اليوم، ووفرةَ الفهارس التي تُصنَعُ لها:تجعلُ (الاجتهاد) أمراً ميسوراً لمن أراده، وهو خيال باطل، وتوهم خادع.

فالحفظُ العجيبُ الذي كان عليه هؤلاء المحدِّثون الأكابر في القرون الأولى الزاهرة، مع سيلان أذهانهم المسعفة -وليست كالكتب الجامدة الصماء-، والبيئةُ التي كانت تجيش فيها مِن حولِهم حلقاتُ التحديثِ والتفقيه، والسماعِ والتدريس، ووفرةُ المحدثين والفقهاء، كلُّ ذلك لم يخولهم أن يجتهدوا ويغالطوا أنفسَهم، فصدقوا مع الله، ومع أنفسهم، ومع الناس.

ولم يكونوا بحالٍ من الأحوال أقلَّ ذكاءً من (المتمجهدين) في هذا العصر، بل كانوا أهلَ ذكاء مشهور،

وفِطنـةٍ بالغـة، ووَعـي شـديد، وانقطـاع للعلـم، ولكـنهم لم يدخلوا أنفسَهم فيما لايحسنون، واقتصروا على مايحسنون فحُمِدَتْ سِيرتُهم، وعَظُمَتْ مكـانتُهم في النفـوس، ودَلَّ ذلك على حُسنِ إسلامهم وفَهمِهم لـواقعهم، فرحمةُ الله تعالى عليهم ورضوانه العظيم».

"ایسے علما جو محدث بھی ہوں اور فقیہ بھی ہوں، ان علما کی بنسبت جو کثرتِ روایت، حفظِ حدیث، اور ضبط واتقان میں معروف وممتاز ہیں، بہت کم ہیں۔ یاد رکھنا ایک الگ شئ ہے، اور تفقہ ودانائی الگ چیز ہے۔ تفقہ کا درجہ حفظِ حدیث سے اشرف واعلی اور اہم وانفع ہے، کیونکہ تفقہ کا حاصل یہ ہے کہ کتاب وسنت کے نصوص کو دقتِ نظر کے ساتھ سمجھا جائے، خواہ عبارت النص سے یا اشارۃ النص سے، اور پھر صراحۃً ہو یا کنایۃً ہو۔ پھر ہر ایک نص کو احکام کے مراتب میں اس کے خاص مرتبہ اور مقام پر رکھا جائے، اس میں نہ کمی ہو، نہ زیادتی، نہ ضرورت سے زائد وسعت ہو، نہ بالکل جمود ہو۔

یہ اوصاف متقدمین میں بھی نادرالوجود تھے، متاخرین میں اور کمی آگئی، اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ محض حدیث کے یاد کرلینے، اس کی کتابوں کو جمع کرلینے اور ان سے واقف ہوجانے سے آدمی فقیہ ہوجاتا ہے، احکامِ شرع کو کما حقہ جان لیتا ہے، اور استنباط واجتہاد پر قادر ہوجاتا ہے، اگر کسی کا یہ گمان ہے تو وہ بڑی سخت غلطی میں مبتلا ہے۔

حدیث کو یاد رکھنا، اس کے الفاظ کو دہرانا اور بیان کرنا الگ چیز ہے، اور اس کے معانی کو سمجھنا، اس سے احکام کا استنباط کرنا بالکل دوسری چیز ہے۔ اللہ تعالی نے ہر ایک کام کے لئے الگ الگ افراد پیدا کئے ہیں، جو اپنے فن میں

دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک شخص کسی فن میں امام ہو،اور دوسرے فن میں اس کی حیثیت ایک عام آدمی کی ہو،علم اللہ کی طرف سے ایک روزی ہے، بخشش ہے، علم بہت ہے، بہت بھاری ہے،اور ہر امام ہر علم پر فائز نہیں ہوسکتا۔امام ابو حامد غزالی نے اپنی کتاب ''المستصفی''میں اور امام ابن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب ''روضۃ الناظر''میں ذکر کیا ہے کہ ''کم من عالم امام فی علم عامی فی علم آخر''بہترے عالم ایک علم میں امام ہوتے ہیں،اور وسرے علم میں عامی ہوتے ہیں۔

امام غزالی نے ہی اپنے رسالہ ''قانون التاویل'' کے آخر میں لکھا ہے کہ ''علمِ حدیث میں میری پونجی بہت قلیل ہے''۔

یہ بات جو تواضع وانکسار سے لبریز ہے،امام غزالی جیسا امام، یکتائے روزگار عالم جو کہ حجۃ الاسلام ہے ہرگز نہ کہتا اگر اس کی طبیعت میں وہ بلند پایہ سلوک اور اخلاقِ حسن رچا بسا نہ ہوتا،جو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی ''انتم اعلم بامور دنیاکم'' (تم لوگ اپنے دنیاوی معاملات سے زیادہ واقف ہو) سے ظاہر ہوتا ہے۔

کیا آج کل کے مدعیانِ اجتہاد میں بھی کوئی شخص ایسا ہے کہ حقیقتِ واقعہ کے سلسلہ میں انصاف سے کام لے،اور جس چیز کی مہارت نہیں رکھتا اس کے بارے میں بے تکلف امام غزالی جیسا اعتراف کرلے۔

خلق الله للعلوم رجالًا

ورجالًا لنفْشَةٍ ودَعَاوي!

اللہ نے کچھ لوگوں کو علم کے واسطے پیدا کیا، اور کچھ لوگ صرف لاگ گزاف اور دعاوی کے لئے ہیں۔

یہ بات بلاشبہہ درست ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالی نے حافظہ کی قوت بخشی ہو اور وہ حفظ و یادداشت میں اہتمام سے مشغول ہو، اس کے لئے روایتِ حدیث بہت آسان ہے، اسی لئے روایت کی صلاحیت رکھنے والے تفقہ واجتہاد کی استعداد رکھنے والوں سے بہت زیادہ ہوئے ہیں، حافظ رامہرمزی نے اپنی کتاب "المحدث الفاصل" میں اپنی سند سے انس بن سیرین کا قول نقل کیا ہے کہ میں کوفہ پہونچا، تو وہاں دیکھا کہ چار ہزار علما حدیث کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان میں صرف چار سو ایسے تھے جنہیں فقہ میں درک حاصل تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقیہ کا عمل بہت دشوار ہے، اسی لئے ان کی تعداد اتنی نہیں ہے جتنی راویانِ حدیث کی ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے، جب یحییٰ بن قطان، وکیع بن جراح، عبدالرزاق اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث، اجتہاد وتفقہ کے میدان میں گھسنے کی ہمت نہیں رکھتے، تو ہمارے زمانے کے مدعیانِ اجتہاد کی جرأت کا اندازہ کیجئے کہ کس قدر بڑھی ہوئی ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ یہ بہادر لوگ بے حیائی سے سلف کو جاہل بھی سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

مشہور امام حدیث ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ (ص ۲۹۳) میں اور امام ابن جوزی کی کتاب "مناقب الامام احمد" (ص ۶۳) میں اور امام ذہبی کی "تاریخ الاسلام" (مخطوطہ) میں لکھا ہے کہ:

"امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ میں عراق میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور اپنے دوسرے اصحاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا، ہم احادیث کا

مذاکرہ کرتے تھے، کبھی ایک طریق سے، کبھی دوطریق سے، کبھی تین طریق سے، پھر ان کے درمیان میں یحییٰ بن معین بول پڑتے کہ فلاں طریق بھی تو ہے، میں کہتا کہ اس کی صحت پر ہمارااجماع نہیں ہوگیا؟ سب کہتے کہ بیشک، میں کہتا کہ اچھااس حدیث کی مراد اور اس کی تفسیر بتاؤ، اور اس سے کیا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے؟ یہ سن کر سب خاموش ہوجاتے، صرف احمد بن حنبل بولتے''۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ علمِ حدیث میں خواہ کسی کو کتنا ہی درک حاصل ہو، اور خواہ علم کے روشن اور تابناک دور میں فنِ حدیث کے اندر امامت کے درجہ پر فائز ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ حافظِ حدیث، فقیہ اور مجتہد بھی ہو۔ اگر فن حدیث کا اشتغال وانہماک ایک محدث کو فقیہ بنانے کے لئے کافی ہوتا، تو وہ بے شمار حفاظ جن کے حافظہ میں (ایک ایک شخص کے حافظہ میں) متون واسانید کا اتنا اتنابڑاذخیرہ ہوتا تھاکہ آج پورے شہر والوں کو اتنا یاد نہ ہوگا، اگر حافظِ حدیث ہوناہی کافی ہوتاتو یہ سب اجتہاد کے مرتبہ پر فائز ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی، انہوں نے کبھی اپنے حق میں اجتہاد کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اس کا وہم بھی نہیں ہوا؛ بلکہ سید الحفاظ امام یحییٰ بن سعید القطان البصری امام المحدثین ہیں، جرح وتعدیل کے معیار ہیں، وہ احکام کے استنباط میں اجتہاد نہیں کرتے، بلکہ امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہوتذکرۃ الحفاظ ترجمہ وکیع بن الجراح۔ ج۱۔ ص۳۰۷)

اور تہذیب التہذیب ج۱۔ ص۴۵۰ میں امام ابوحنیفہ کے حالات میں حافظ ابن حجر، احمد بن سعید قاضی کا قول نقل کرتے ہیں، انہوں نے یحییٰ بن معین (تلمیذ یحییٰ بن سعید القطان) سے سنا کہ یحییٰ بن سعید فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم اللہ

سے جھوٹ نہیں بولتے، ہم نے امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر اور کوئی رائے نہیں پائی، ہم نے ان کے بہتیرے اقوال کو اختیار کیا ہے"۔

مشہور حافظِ حدیث وکیع بن جراح کوفی جو اپنے دور کے حفاظِ حدیث کے امام اور محدثِ عراق تھے، وہ بھی اجتہاد نہیں کرتے تھے، امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام ذہبی کے "تذکرۃ الحفاظ" میں اور حافظ ابن حجر کی "تہذیب التہذیب" میں حسین بن حبان کے واسطے سے یحیٰ بن معین (تلمیذ وکیع) کا قول نقل کیا گیا ہے، کہ "میں وکیع سے بہتر کسی شخص کو نہیں پایا، وہ قبلہ رو ہو کر حدیثیں یاد کیا کرتے تھے، راتوں کو نماز پڑھتے تھے، مسلسل روزے رکھتے تھے، امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے'۔ (تذکرہ ۱/ ۳۰۷ تہذیب ۱۱/ ۱۲۶، ۱۲۷)

ابھی اوپر امام اسحاق بن راہویہ کا قول بڑے بڑے ائمہ حدیث کے متعلق گزر چکا ہے، اور ان میں یحیٰ بن معین بھی شامل ہیں کہ یہ حضرات اجتہاد نہیں کرتے تھے، ایک ایک حدیث کو کئی کئی طریق سے نقل کرتے تھے، مگر جب اس حدیث کا مطلب پوچھا جاتا تو سب خاموش رہتے صرف امام احمد بن حنبل جواب دیتے تھے۔

یہ ان کے تدین وامانت اور بے نفسی وتقوی کی روشن دلیل ہے، کہ جس چیز کی مہارت انہیں نہ ہوتی، وہاں خاموش ہو جاتے، اور جس فن میں درک ہوتا اس میں خوب چلتے۔

بات یہ ہے کہ فقہ ایک مشکل فن ہے، اس میں بڑی پختہ درایت اور کتاب وسنت کی گہری فہم درکار ہے اور یہ کہ متعارض نصوص میں تطبیق کی کیا

صورت ہوگی؟اور ناسخ کون ہے؟منسوخ کون ہے؟کس پر اجماع ہے؟کہاں اختلاف ہے؟ان سب کی معرفتِ کاملہ ہونی چاہئے، پھر جرح وتعدیل میں بھی درک ہونا ضروری ہے، نیز اتنی قدرت ہونی چاہئے کہ دلائل کے درمیان وجہ ترجیح کی شناخت کرسکے،اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی حذاقت ومہارت ہو،یعنی مفرد الفاظ کو بھی جانتا ہو،وجوہِ بلاغت کی بھی معرفت رکھتا ہو، نحو وصرف بھی جانتا ہو، حقیقت و مجاز سے بھی واقف ہو۔

شیخ فرماتے ہیں:میں نے اکابر حفاظ حدیث اور ائمہ مجتہدین کے یہ واقعات،جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یادداشت الگ چیز ہے،اور نصوص کاسمجھنااور فقہ میں گیرائی پیدا کرناالگ شئ ہے،اس لئے نقل کئے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بہتوں کے دماغ میں یہ خیال سمایا ہوا ہے کہ اگر کسی کے پاس کتابیں کثیر تعداد میں ہوں، جو دھڑادھڑا پریس سے نکل نکل کر آرہی ہیں، اور ان کی فہرستیں ہوں جن کی مدد سے ہر حدیث کو آسانی سے وہ پاسکتا ہے،بس اتنے ہی سے اس کے لئے اجتہاد کادروازہ کھل جاتا ہے، حالانکہ یہ خیال باطل اور وہم محض ہے۔

دیکھئے قرون اولیٰ کے محدثین کا حافظہ کتنا عجیب وغریب تھا،اور ان کے اذہان میں کس قدر جودت اور سرعت تھی،وہ جامد اور گونگی کتابوں کی طرح نہ تھے،اور جس ماحول میں وہ تھے اس میں فقہ وحدیث کے حلقے بکثرت تھے، سماع وتدریس کا دوردورہ تھا، محدثین وفقہا بے شمار تھے،ان سب کے باوجود انہیں یہ خیال کبھی نہ آیا کہ وہ مجتہد بن جائیں اور اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوں ۔ انہوں نے اللہ کے ساتھ بھی سچا معاملہ کیا،اپنے آپ کے ساتھ بھی،اور لوگوں کے ساتھ بھی!۔

یہ حضرات ذکاوت وذہانت میں ہمارے زمانے کے مجتہدین سے کسی طرح کم نہ تھے، بلکہ ان کی ذکاوت مشہور تھی، وہ بڑے ذہین وفطین تھے، ان کی قوتِ یادداشت زبردست تھی، اور وہ علم کے لئے بالکل یکسو تھے، لیکن اس کے باوجود جس فن میں انہیں مہارت نہ تھی اس میں انھوں نے دخل اندازی نہیں کی اور جس کی انہیں مہارت تھی بس اسی پر اکتفا کیا۔ اس سے ان کی زندگی میں حسن پیدا ہوا، اور لوگوں کی نگاہ میں ان کی عظمت قائم ہوئی، یہ طریقہ ان کی خوبیٔ اسلام اور اعترافِ حقیقت کی روشن دلیل ہے، ان پر اللہ تعالی کی رحمت ورضامندی کا نزول ہو"۔ [1]

شہید اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جہاں نصوص میں بظاہر تعارض نظر آئے وہاں اپنے اپنے فہم واجتہاد کے مطابق تمام ائمۂ مجتہدین کو نصوص میں جمع وتطبیق یا ترجیح کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں محدث اور مجتہد کا وظیفہ الگ الگ ہوجاتا ہے، ایک محدث کا منصب یہ ہے کہ وہ اُن تمام اُمور کو روایت کرتا جائے جو

(۱) تقدمة على الموطا للإمام محمد بقلم الشيخ عبد الفتاح أبو غده، دار القلم، دمشق الطبعة الأولى ١٤١٢ھ/ ١٩٩١ء، الإسناد من الدين، ص:٦٧، ٦٨، دار البشائر الإسلامية، دمشق الطبعة الثالثة ١٤٣٥ھ/ ٢٠١٤ء، علوم و نكات:١/ ٢٨٨ تا ٣١٨، مجموعہ مضامین حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، مئو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، اسے اس سے بحث نہیں کہ ان میں سے کون ناسخ ہے؟ کون منسوخ ہے؟ کون قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ اور کس کی حیثیت مستثنیات کی ہے؟ کون سا حکم وجوب پر محمول ہے؟ اور کون سا ندب واستحباب یا اجازت پر؟ کون سا حکم تشریعی ہے اور کون سا ارشادی؟ اُمت کا تواتر وتعامل کس پر ہے؟ اور کس پر نہیں؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے اُمور پر غور کرکے یہ معلوم کرنا کہ شارع علیہ السلام کا ٹھیک ٹھیک منشا کیا ہے؟ یہ محدث کا وظیفہ نہیں؛ بلکہ مجتہد کا منصب ہے، آپ چاہیں تو اس کو یوں تعبیر کرلیجیے کہ ایک ہے حدیث کے الفاظ کی حفاظت ونگہداشت اور ایک ہے حدیث کے معانی ومفاہیم میں دقیقہ رَسی، شریعت کے کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنا اور جزئیات سے کلیات کی طرف منتقل ہونا، پہلی چیز محدث کا منصب ہے اور دوسری فقیہ مجتہد کا؛اِسی لیے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَكَذٰلِكَ قَالَ الْفُقَهاءُ وَهمْ أَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيثِ».

(ترمذی، باب غسل المیت:ج۱، ص۱۱۸)

ترجمہ:"اور فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اور حدیث کے معنی ومفہوم کو وہی بہتر جانتے ہیں"۔

اور بلاشبہ بہت سے اکابر کو حق تعالی شانہ نے دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، وہ بیک وقت بلند پایہ محدث بھی تھے اور دقیقہ رس فقیہ بھی، جیسا کہ حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ روایت و درایت دونوں کے جامع تھے؛کیونکہ اجتہاد وتفقہ؛علم حدیث میں کامل مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔[1]

---

(۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم:۲/۲۹۶،۲۹۵، مکتبہ لدھیانوی، کراچی۔

مذکورہ مفصل بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ احادیث مبارکہ سے مقصود ان کے معانی کو سمجھنا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ بعض احادیث کا ظاہری مطلب منشا نبوی کے قطعاً خلاف ہوتا ہے؛اس لیے مشکل، مغلق اور متعارض احادیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے فقہائے امت کی طرف رجوع ضروری ہے، موضوع کی مناسبت سے یہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی معرکۃ الآراء تصنیف اجتہاد و تقلید کی وہ بحث بھی پیش کرنا موزوں معلوم ہوتا ہے جس میں حضرت نے احادیث کی روشنی میں قوت اجتہادیہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور اس امر کو ثابت کیا ہے کہ نصوص کے مدلولات خفیہ، معانی دقیقہ اور احکام کے اسرار و علل تک رسائل مجتہدین امت اور فقہائے شریعت ہی کی ہو سکتی ہے، یہ بحث تھوڑی مشکل ہے؛لیکن دلچسپ ہونے کی وجہ سے پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

قوت اجتہادیہ کی حقیقت: حضرت تھانویؒ کی ایک بےنظیر بحث

حدیث (۱): عَنْ عَبْدِ الله عَنْ رَسُوْلِ الله صَلَّى الله عَلَيه وَسَلَّمَ:أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيةٍ مِنْها ظَهرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ. [شرح السنة:١٢٢]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے، ہر آیت کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ہے اور ہر حد کے لیے طریقۂ اطلاع جداگانہ ہے (یعنی مدلولِ ظاہری کے لیے علومِ عربیہ اور مدلولِ خفی کے لیے قوتِ فہمیہ)۔ روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔

حدیث(۲): قَالَ عُرْوَةُ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِي الله عَنْها، فَقُلْتُ لَهَا:أَرَأَيتِ قَوْلَ الله تَعَالٰى: ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِۖ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَاۚ﴾ [البقرة:١٥٨] فَوَ الله مَا عَلٰى أَحَدٍ جُنَاحٌ أَنْ لَايطُوْفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. قَالَتْ: بِئْسَ مَاقُلْتَ يا ابْنَ أُخْتِي، إِنَّ هٰذِه لَوْكَانَتْ كَمَا أَوَّلْتَها عَلَيه كَانَتْ لَاجُنَاحَ عَلَيه أَنْ لَايطَّوَّفَ بِهِمَا. [بخاري:١٥٣٤] قَالَ الزُّهرِي: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَأَعْجَبَه ذٰلِكَ وَقَالَ:إِنَّ هٰذَا لَعِلْمٌ. [ترمذی:٣٢٢٨]

ترجمہ:عروہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق دریافت کیا: ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِۖ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَاۚ﴾ اور میں نے کہا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے تو اس کو گناہ نہ ہوگا (جیساظاہر ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گناہ نہیں ہے کہ جو طواف کرے، متبادر الی الذہن اس سے یہی ہے کہ طواف مباح ہے، اگر نہ کرے تو بھی جائز ہے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے بھانجے!تم نے بڑی غلط بات کہی،اگر یہ آیت اس معنٰی کو مفید ہوتی جو تم سمجھے ہو تو عبارت یوں ہوگی: «لَاجُنَاحَ عَلَيْه أَنْ لَايطَّوَّفَ بِهِمَا» یعنی طواف نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کو اس کی خبر دی، ان کو یہ بات اچھی معلوم ہوئی اور انھوں نے کہا کہ

بے شک علم یہی ہے۔ روایت کیا اِس کو امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے۔

حدیث (۳): عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِي الله عَنْه قَالَ: أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى الله عَلَيه وَسَلَّمَ، كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِه الْأُمَّةِ أَبَرَّها قُلُوْبًا وَأَعْمَقَها عِلْمًا وَأَقَلَّها تَكَلُّفًا. رواه رزين

[مشكوٰة:١٩٣]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے صحابہؓ کی فضیلت میں روایت ہے کہ وہ حضرات تمام امت سے افضل تھے، سب سے زیادہ ان کے قلوب پاک تھے، سب سے زیادہ ان کا علم عمیق تھا، سب سے کم ان کا تکلّف تھا۔ روایت کیا اس کو رزین نے۔

حدیث (۴) عَنْ أَبِي جُحَيفَةَ رَضِي الله عَنْه قَالَ: فقلْتُ لِعَلِي رَضِي الله عَنْه: ياأَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هلْ عِنْدَكُمْ سَوْدَاءُ فِي بَيضَاءَ لَيسَ فِي كِتَابِ الله؟ قَالَ: لَا، وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَاعَلِمْتُه إِلَّا فَهمًا يعْطِيه الله رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ.

[ترمذی:١٤٧٤]

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ ایسے مضامین لکھے ہوئے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس نے دانے کو شگاف دیا اور جان کو پیدا کیا! ہمارے پاس کوئی علم ایسا نہیں؛ لیکن فہم خاص ضرور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قرآن میں کسی کو عطا فرمادیں۔ روایت کیا

اس کو ترمذی نے۔

حدیث(۵): عَنْ زَيدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: بَعَثَ إِلَى أَبُوْبَكْرٍ مَقْتَلَ أَهلِ الْيمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَه، قَالَ أَبُوْبَكْرٍ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يوْمَ الْيمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَخْشٰى أَنْ يسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيذْهبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيفَ تَفْعَلُ شَيئًا لَمْ يفْعَلْه رَسُوْلُ الله صَلَّى الله عَلَيه وَسَلَّمَ؟ قَالَ عُمَرُ: هٰذَا وَالله خَيرٌ. فَلَمْ يزَلْ عُمَرُ يرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ الله صَدْرِي لِذٰلِكَ، وَرَأَيتُ فِي ذٰلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ. [بخاری:٤٦٠٣]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جنگِ اہلِ یمامہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرے بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا، وہاں جاکر دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قصہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے پاس آکر یہ صلاح دی کہ واقعۂ یمامہ میں بہت سے قراء قرآن کام آگئے، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح سب جگہ یہ لوگ کام آتے رہے تو قرآنِ پاک کا بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا؛ اِس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن پاک جمع کرنے کا حکم فرمادیں، مَیں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ مَیں کس طرح کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ! یہ کام خیر محض ہے، پس برابر بار بار اسی کو کہتے رہے، حتیٰ کہ جس

باب میں ان کو شرحِ صدر اور اطمینان تھا، مجھ کو بھی شرحِ صدر ہو گیا۔ روایت کیااس کو بخاری نے۔

فائدہ:

مجموعۂ احادیثِ مذکورہ پنج گانہ سے چند اُمور معلوم ہوئے:

اوّل: یہ کہ نصوص کے بعض معانی ظاہر ہیں اور بعض مدلولات خفی ودقیق کہ وہ اسرار وعلل وحکم ہیں؛ چنانچہ قرآنِ پاک کے باب میں حدیثِ اوّل اس پر صراحتًا دال ہے اور اس میں ان ہی مدلولات کو بطنِ قرآن فرمایا گیا ہے اور حدیث کے باب میں اس حدیث سے اُوپر والی حدیث کہ وہ بھی ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، دلالت کرتی ہے؛ کیوں کہ صرف معانیٔ ظاہرہ کے اعتبار سے شاگرد کے استاد سے افضل وافقہ ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں درجے مدلول کے حدیث میں بھی ہیں۔

دوم: امر یہ کہ نصوص کے سمجھنے میں لوگوں کے افہام متفاوت ہوتے ہیں، کوئی ظہرِنص تک رہ جاتے ہیں، کوئی بطنِ نص تک پہنچ جاتا ہے؛ چناں چہ حدیثِ دوم اِس پر دال ہے کہ آیت میں جو نکتۂ دقیقہ ہے باوجود یہ کہ زیادہ خفی نہیں ہے؛ مگر حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو نہ سمجھ سکے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سمجھ گئیں اور چوں کہ نہایت لطیف بات تھی، زہریؒ سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے سُن کر اس پر مسرت ظاہر کی اور اس کو علم کہا۔

سوم: امر یہ کہ اس تفاوتِ افہام میں ہر درجہ زیادتِ فہم کا موجبِ فضل وشرف نہیں؛ ورنہ اس سے تو کوئی دو شخص بھی باہم خالی نہیں؛ بلکہ کوئی خاص درجہ ہے جو کہ اپنے دقیق وعمیق ہونے سے موجبِ فضل وشرف اور اس درجے میں

اس کو علمِ معتدبہ سمجھا جاتا ہے؛چناں چہ حدیثِ سوم اس پر صراحتًا دال ہے۔

چہارم: امر یہ کہ وہ درجہ خاص فہم کا مکتسب نہیں ہے، محض ایک امرِ وہبی ہے؛ چناں چہ حدیثِ پنجم اس پر دال ہے کہ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بوجہ ظاہر احادیثِ ذمِ بدعت کے اس کے خیر ہونے میں تردّد ہوا؛مگر جب ان کے قلب پر مدلولِ خفی اور سِرّ حکم اجتناب عن البدعۃ وارد ہوئے تو اس کا کلیہ حفظِ دین مامور بہ میں داخل ہونا منکشف ہو کر اس کے خارج عن البدعۃ ہونے میں اطمینان حاصل ہو گیا، اور بعض احادیث مذکورہ اُمورِ خمسہ میں سے متعدّد اُمور پر بھی دال ہیں؛ چناں چہ تأمل سے معلوم ہوسکتا ہے؛ مگر اختصار کے لیے زیادتِ خصوصیت کے لحاظ سے ایک ایک کو ایک ایک کا مدلول ٹھہرایا گیا ہے، سو مراد قوتِ اجتہادیہ سے فہم مذکور فی الحدیث کا وہ درجۂ خاص ہے۔

پس حاصل اس کی حقیقت کا احادیثِ بالا سے یہ مستفاد ہوا کہ وہ ایک ملکہ وقوتِ فہمیہ علمیہ خاصہ وہبیہ ہے جس کے استعمال کی وساطت سے اہل اس قوت کے نصوص کے مدلولاتِ خفیہ ومعانیٔ دقیقہ اور احکام کے اسرار وعلل یعنی احکامِ تکلیفیہ واحکامِ وضعیہ پر مطلع ہو کر اس پر مطمئن ہوجاتے ہیں اور دوسروں کی وہاں تک رسائی بھی نہیں ہوتی، گو دوسرے وقت یہی اطمینان دوسری شق میں ہوجاوے، اس وقت پہلی شق سے رجوع کر لیتے ہیں اور یہی قوت ہے جس کو فہم اور فقہ اور رائے واجتہاد واستنباط وشرحِ صدر وغیرہ کے عنوانات سے آیات واحادیث میں جابجا تعبیر کیا گیا ہے"۔ (۱)

---

(۱) تقلید واجتہاد، ص:۲۵ تا ۲۹، بشریٰ، کراچی، سن اشاعت ۱۴۳۹ھ۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا یہ اقتباس بار بار پڑھنے کے قابل ہے، اس سے یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ دین و شریعت میں مجتہدین امت اور فقہائے کرام کی فہم اور ان کی رائے کیوں زیادہ معتبر ہے؟

حضرت سفیان ابن عیینہؒ کا مشہور مقولہ: «الحديث مضلّة إلا للفقهاء»

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہؒ کے مشہور مقولہ «الحديث مضلة إلا للفقهاء» کی بہترین تشریح کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

«(سئل) نفع الله به بما لفظه الحديث مضلة إلا للفقهاء هل هو حديث وما معناه مع أن معرفة الحديث شرط في مسمى الفقيه وأيما أعظم قدرا أو أجل ذكرا الفقهاء أو المحدثون؟ (فأجاب) بقوله ليس بحديث وإنما هو من كلام ابن عيينة أو غيره ومعناه أن الحديث كالقرآن في أنه قد يكون عام اللفظ خاص المعنى وعكسه ومنه ناسخ ومنسوخ ومنه ما لم يصحبه عمل ومنه مشكل يقتضي. ظاهره التشبيه كحديث ينزل ربنا الخ ولا يعرف معنى هذه إلا الفقهاء بخلاف من لا يعرف إلا مجرد الحديث فإنه يضل فيه كما وقع لبعض متقدمي الحديث بل ومتأخريهم كابن تيمية وأتباعهم وبهذا يعلم فضل الفقهاء المستنبطين على المحدثين غير المستنبطين ومن ثم قال – صلى الله عليه وسلم – رب مبلغ أوعى من سامع ورب حامل فقه ليس بفقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه وقوله بلغوا عني

ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج فمستنبطوا الفروع هم خيار سلف الأمة وعلماؤهم وعدولهم وأهل الفقه والمعرفة فيهم فهم قوم غذوا بالتقوى وربوا بالهدى أفنوا أعمارهم في استنباطها وتحقيقها بعد أن ميزوا صحيح الأحاديث من سقيمها وناسخها من منسوخها فأصلوا أصولها ومهدوا فروعها فجزاهم الله عن المسلمين خيرا وأحسن جزاءهم كما جعلهم ورثة أنبيائه وحفاظ شرعه وشهود آلائه وألحقنا بهم وجعلنا من تابعيهم بإحسان إنه الكريم الجواد الرحمن». [۱]

''علامہ ابنِ حجر ہیتمیؒ سے مشہور قول «الحديث مضلّة إلا للفقهاء» (کہ حدیث صرف فقہاء کے لیے فتنہ اور آزمائش نہیں ہے/ حدیث کے ذریعہ سے بھی آزمائش ہوتی ہے؛ البتہ فقہاء اس سے مستثنیٰ ہیں) کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا یہ حدیث ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ جب کہ کوئی فقیہ معرفتِ حدیث کے بغیر فقیہ نہیں بن سکتا؛ نیز فقہاء اور محدثین میں کس کا درجہ بلند ہے؟

علامہ ابنِ حجرؒ نے جواب میں فرمایا: پہلی بات تو یہ کہ ''الحدیث مضلّۃ إلا للفقہاء'' حدیث نہیں ہے؛ بلکہ یہ ابنِ عیینہ یا کسی دوسرے محدث کا قول ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظِ قرآن کی طرح حدیث کے الفاظ بھی بسا اوقات عام اور ان کے معانی خاص، یا پھر معانی عام اور الفاظ خاص ہوتے ہیں، آیاتِ قرآنی کی طرح کچھ احادیث بھی ناسخ و منسوخ، معمول بہ و غیر معمول بہ ہیں؛ نیز

(۱) الفتاوی الحدیثیة، ص:۲۰۲، دار الفکر، بیروت.

جس طرح آیاتِ متشابہات ہوتی ہیں اسی طرح کچھ احادیث بھی مثلاب: حدیث ''ینزلُ ربُّنا الخ'' متشابہات کے قبیل سے ہیں، ان جیسی احادیث کے مضامین ومفاہیم صرف فقہاء کو معلوم ہیں، جن افرادِ امت کا اشتغال وانہاک فقط الفاظِ حدیث سے ہے وہ ایسے موقع پر ٹھوکر کھاسکتے ہیں، متقدمین محدثین؛ بلکہ بعض بعد کے ائمۂ حدیث مثلاً ابنِ تیمیہ اور ان کے متبعین کے ساتھ اس طرح کا حادثہ پیش آچکا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام کا استنباط کرنے والے فقہاءِ کرام کا مرتبہ ان محدثین سے بلند ہے جو درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہیں، اسی بناء پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کہ بسااوقات دین کی بات کو سننے والا پہونچانے والے سے زیادہ سمجھنے والا ہوتا ہے؛ نیز ارشاد ہے: بہت سے ناقلینِ فقہ فقیہ نہیں ہوتے، اسی طرح بسااوقات ناقلینِ فقہ خود سے افقہ (زیادہ سمجھ دار) شخص کو فقہ پہونچاتے ہیں، ایک حدیث میں ہے: حدّثوا عن بنی اِسرائیل۔

حاصل یہ کہ احکام جزئیات کا مستنبط کرنے والے ہی؛ امت کے منتخب افرادعلم وعدل سے آراستہ اور فقہاء کے نام سے موسوم ہیں، کہ تقویٰ جن کی غذا اور سنت وشریعت کے سائے میں جن کی پرورش ہوئی ہے، جنھوں نے پہلے صحیح احادیث کو الگ کیا، اُن میں ناسخ ومنسوخ کی چھان پھٹک کی، پھر ان سے احکام وجزئیات متنبط کرکے ان کے اُصول مقرر کیے، فروعات وجزئیات کی راہیں ہموار کیں اور ان ہی سب اُمور میں اپنی زندگیاں کھپادیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی طرف سے انہیں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء کا وارث، اپنی شریعت کا محافظ اور نعمتوں کا گواہ بنایا؛ نیز ہمیں بھی ان میں شامل فرماکر بہتر طریقہ پر ان کی اتباع کرنے والا بنادے، آمین یارب العالمین، بے شک اللہ رب العزت مہربان،

انتہائی سخی اور خوب رحم کرنے والا ہے"۔ (۱)

مذکورہ اقتباسات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ قرآن و سنت کو ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کی فہم کی روشنی میں سمجھنا کیوں ضروری ہے؟ اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہم کو بھی عقل و شعور عطا فرمایا ہے اور ہمارے پاس بھی حدیث و فقہ کا علم ہے، اس لیے ہم کو مجتہدین کے اجتہادات سے مستغنی ہوکر براہ راست نصوص میں غور و فکر کا حق حاصل ہے، تو اس کے لیے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

مجتہدین کے مقابلے میں اجتہاد کی نظیر

حضرت تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

> "اس کی نظیر حسی یہ ہے کہ ہائی کورٹ کے ججوں کے فیصلے کے سامنے کسی کو حتی کہ حکام ماتحت کو بھی دفعہ قانونی کے دوسرے معنی سمجھنے کی اجازت محض اس بناء پر نہیں دی جاتی کہ ان کو سب سے زیادہ قانون کے معنی سمجھنے والا سمجھا گیا اور ان کی مخالفت کی اجازت سے ہر شخص کو اپنے طور پر کاروائی کرکے ملک میں تشویش و بدنظمی کا سبب ہوجائے گا، بس یہی نسبت ہم کو مجتہدین کے ساتھ سمجھنا چاہیے"۔

اس اقتباس کی تشریح کے طور پر عرض ہے کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب غوری راوی

---

(۱) الفتاوی الحدیثیۃ، شیخ عوامہ نے امام ابوزید القیروانیؒ کے حوالے سے اس مقولہ کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: يريد أن غيرهم قد يحمل شيئا على ظاهره وله تأويل من حديث غيره أو دليل يخفى عليه أو متروك أوجب تركَه غيرُ شيئ مما لايقوم به إلا من استبحر وتفقه. (اثر الحديث الشريف، ص: ۷۰، دار اليسر، مدينه منوره)

ہیں کہ ایک صاحب نے جو معززین لکھنؤ میں سے ہیں اور بہت قابل وکیل اور ایک کالج میں محمڈن لا (قانون شرع محمدی) کے پروفیسر ہیں، احقر سے نہایت مسرت کے ساتھ فرمایا کہ آج تو حضرت کی تقریر سے میرا ایک شبہ زائل ہوگیا، میں اس شبہ میں تھا کہ جب قرآن و حدیث موجود ہیں اور ہم عربی جانتے ہیں تو استنباط مسائل مثل فقہاء کے ہم بھی کرسکتے ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت کی اس مثال سے میری پوری تسلی ہوگئی کہ اگر میں کسی قانون کی کتاب کی شرح لکھوں تو وہ اس بناء پر معتبر نہ ہوگی کہ میں گو زبان جانتا ہوں؛ لیکن فن تو نہیں جانتا، انہیں صاحب نے یہ واقعہ بھی نقل کیا کہ برطانیہ میں ایک مشہور مسلم جج نے فقہائے مجتہدین کے خلاف کسی شرعی حق کے متعلق اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ قرآن و حدیث موجود ہیں، میں بھی ان کو سمجھ سکتا ہوں، لہذا کوئی وجہ نہیں کہ میں فقہاء کے مسائل کا اتباع کروں اور انہی کی رائے کے مطابق فیصلہ دوں، اس فیصلے کو پریوی کونسل لندن نے یہ لکھ کر مسترد کردیا کہ مسائل شرعیہ میں ائمہ مجتہدین ہی کی رائے معتبر ہے؛ کیونکہ انھوں نے اپنی ساری عمر انہیں مسائل کے سلجھانے میں صرف کردی، جتنے وہ اس فن سے واقف تھے، اتنا اور کوئی نہیں ہوسکتا، لہذا تمھاری رائے ان کی رائے کے مقابلے میں ہرگز قابل اعتبار نہ ہوگی اور ہرگز نہ مانی جائے گی۔ حضرت اقدس اس واقعہ کو سن بہت مسرور ہوئے۔ [1]

---

(۱) شرح الانتباہات، ص:۱۷۳، بحوالہ الافاضات:۲۱۹/۱۰ تا ۲۲۱، اشرف الجواب، ص:۴۰۸، تحقیق و تشریح مولانا حکیم فخرالاسلام مظاہری، ناشر: مجمع الفکر القاسمی الدولی اکل کوا، اشاعت اول ۱۴۴۲ھ۔

فقہ کی حقیقت

اب تک فقہ اسلامی سے متعلق جدید افکار اور روایت و درایت میں فقہائے مجتہدین کے مقام و مرتبہ پر جو کچھ کلام کیا گیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کے درمیان فرق کی بنیادی وجہ؛ فقہ کی حقیقت سے صحیح واقفیت کا حاصل نہ ہونا ہے، فقہ اور فقہاء کا لفظ سنتے ہی عموماً ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ:

> ''فقہ اسلامی کی تاریخ دور نبوی کے بعد شروع ہوتی ہے، بعد کے دور میں ائمہ اور فقہاء کی جن آراء اور اختلافات کو کتابی شکل میں مدون کر دیا گیا ہے، صرف اسی کو ''فقہ اسلامی'' کہتے ہیں''۔

حالانکہ فقہ کی حقیقت کو مذکورہ تصور میں محدود سمجھنا کتاب و سنت کی صحیح تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

فقہ کے بارے میں غلط تصور اور شیخ محمد عوامہ کی ایک تجدیدی کتاب

نئے شبہات کے پس منظر میں فقہ کی حقیقت کو واضح کرنے والی ایک نمایاں شخصیت؛ عالم اسلام کے عظیم محقق و فقیہ، محدث ناقد شیخ محمد عوامہ دامت برکاتہم کی ہے، جنھوں نے اِس موضوع پر «أثر الحديث الشريف في اختلاف الفقهاء» کے نام سے وہ تجدیدی کتاب تصنیف فرمائی جس کو بعض محققین نے «كتاب القرن الخامس عشر» کا بھی لقب دیا ہے، اس کتاب کا بنیادی موضوع ہی فقہ کے تعلق سے صحیح نقطہ نظر کی وضاحت ہے، کتاب کی اہمیت و معتبریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ (۱۳۱۵ھ/۱۴۰۲ھ) نے اپنی تقریظ میں ہر مدرس اور ہر طالب علم کے لیے اس کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

«إنها مجنبة عن الزيغ والطغيان، ومنجية عما يقع في شأن الأئمة من أهل العدوان وأصحاب الحرمان».

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب ابوالمآثر، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی قدس سرہ (۱۳۱۹ھ/۱۴۱۲ھ) حلب/ملک شام تشریف لے گئے تو شیخ عوامہ نے آپ کی خدمت میں کتاب کا مکمل مسودہ پڑھ کر سنایا، جس پر محدث کبیرؒ نے نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«أنا أوافق على ما قرأته على حرفيا»

شیخ محمد عوامہ کے استاد شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ اور ان کے استاد شیخ مصطفی الزرقاء (۱۳۲۲ھ/۱۴۲۰ھ) کی تصریح کے مطابق پوری کتاب منتخب علمی فوائد کا مجموعہ ہے اور انھوں نے ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ اس کتاب کا مولف حدیث نبوی اور رجال حدیث میں بھی زبردست مہارت رکھتا ہے، چنانچہ اس کی تصنیف سے پہلے حافظ ابن حجر کی مشہور کتاب تقریب التہذیب اور حافظ ذہبیؒ کی مشہور تصنیف الکاشف کی تحقیق کا کارنامہ انجام دے چکے ہیں، شیخ کے نزدیک اس کتاب کی حیثیت روایت اور درایت کے درمیان ایک پل کی ہے اور حدیث وفقہ کے طالب کو فقیہ بنانے میں موثر ہے۔

شیخ محمد عوامہ کی تصنیف کا خلاصہ

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب کے قلم سے

شیخ عبدالفتاح رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد رشید، علامہ عبدالرشید نعمانی قدس

سرہ کے خاص تلمیذ اور شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کے معتمد حضرت مولانا عبد المالک صاحب دامت برکاتہم نے اس قیمتی کتاب کے تعارف پر ایک مقالہ تحریر فرمایا تھا، جس میں پوری کتاب کانچوڑ اور خلاصہ آگیا ہے، مقالہ کی بنیادی خصوصیت یہ محسوس ہوئی کہ اس میں کتاب: «أثر الحديث الشريف في اختلاف الأئمة الفقهاء» کے بنیادی موضوع (معرفة الربط بين الحديث والفقه) کی وضاحت اچھی تعبیر میں کی گئی ہے، اس لیے فقہ کی حقیقت کے سلسلے میں اِسی مقالہ کے چند اہم اقتباسات پیش کرتا ہوں:

«فالفقه الإسلامي هو في ابتدائه فهم الرسول صلى الله عليه وسلم للكتاب والحكمة المنزلين عليه، وما تعلمه عنه الصحابة وتلقَّوه من العقائد والأحكام وعِلَلِها ومصالحها وحِكَمها، ومقاصدها العامة، وكيفيات الأعمال والعبادات المشروعة، وأخلاقٍ إيمانية مستورةٍ في القلب، أو ماثلةٍ على اللسان والسيرة، وآدابٍ إسلامية تشتمل جميع نواحي الحياة، وأحوالٍ نورانية سارية في ظواهرهم وبواطنهم، وفهم صحيح لطبيعة الدين ومناخه، وإدراك تام لسماته البارزة، وملامحه الخاصة، الأمر الذي تذوَّقُوه تماماً ببركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم، ذلك الأمر الذي عبَّر عنه عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالى وهو يصِف الصحابةَ بقوله: وببصرٍ نافذٍ قد كُفُوا، ومِن قبله علي رضي الله عنه بقوله: أو فهم أُعطِيه رجلٌ مسلم في كتاب الله.

وقد نقل الصحابة الكرام رضوان الله تعالى عليهم

أجمعين كلَّ ذلك إلى تابعيهم، وهم إلى أتباعهم، ولما توفي النبي صلى الله عليه وسلم حدثت حوادث وجَدَّت أمور لم تكن في عهد النبي صلى الله عليه وسلم، فاستخرج الصحابة أحكامها بالاعتبار والنظر في قواعد الشريعة ومقاصدها وعِللها ومصالحها، وذلك عملاً بهداية النبي صلى الله عليه وسلم في الحوادث والنوازل، وكذلك فعل التابعون وأتباعهم فيما حدث في عهدهم من حوادث ونوازل.

وحفظ الله تعالى هذا الفقهَ بحفظ مأخذيه الكبيرين، القرآن والحديث، وبحفظ السنة المتوارثة والأسوة المحمدية، بالتوارث العلمي والتواتر الشفهي، وبحفظ ذلك الفكر والفهم المتوارَثَين بتواتر الصدور صدراً عن صدرٍ، بالصحبة والمجالسة، والتذوق والمشامَّة خلفاً عن سلفٍ.

ولما جاء عهد التدوين دُوِّن جلُّ هذا الفقه أولاً في كتب الحديث، وكتب السنة، وكتب السيرة، وبقية أنواع كتب النقل والرواية، ويخطئ من يظن أن هذه كتب الحديث والرواية فقط، فإن تدوين مجرَّد الروايات والنقول المحضة إنما كان متأخراً، بدئ في أول القرن الثالث، ثم دُون أيضاً بعضه في كتب أصول الدين، وبعضه في كتب أحوال القلوب، وبعضه في كتب الآداب الإسلامية، وشطره الأكبر في كتب الفقه، ولم ينفصل حفظه في كل هذه

الأدوار عن رجالِ الله، حملةِ هذا العلم ووراثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذ بهم حُفِظَ الكيفيات والصفات التي لا تُفهم إلا بالعمل المثالي، وحفظ أيضاً فهمُه الصحيح وتعبيره المستقيم الذي أشرتُ إلى جوانبه سابقاً، وأما حفظ الدواوين والزبر الكافلة بحفظ ذلك فموقوفٌ عليهم أيضاً، كما هو ظاهر.

ونجد تاريخَ انتقال الفقه الإسلامي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق صحابته إلى من بعدهم، وتاريخَ تدوينه أيضاً في مختلف الأطوار، في كتب الطبقات وتواريخ الرجال لأهل العلم المتقدمين، وفي كتب مختصة بتاريخ الفقه الإسلامي مما أُلّف متأخراً، من نحو الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي للشيخ محمد بن الحسن الحجوي، وفقه أهل العراق وحديثهم للشيخ محمد زاهد الكوثري، وغيرهما.

ولكن الأمر الذي ألفت النظر هنا هو أننا نجد أئمةَ الحديث أصحابَ الجرح والتعديل الذين جل أو كل اشتغالهم في النقل والرواية، يهتمون بذكر تاريخ الفقه والفقهاء من الصدر الأول إلى عصرهم.

وإذا أمعن النظر في كل ما تقدم عرضه يتبين للقارئ الكريم أن المذاهب الفقهية ما هي إلا:

١_ تـدوينٌ (مرتبـا ومبوَّبـا) للعمـل المتـوارث والفهـم المتوارث.

٢_ تدوينٌ (مرتبا ومبوبا) للمأثور من الفقه عمَّنْ سَلَفَهم من أهل الفقه في الدين.

٣_ تـدوينٌ لكيفيـات العبـادات، ممـا لا توجـد مجتمعـة في حديثٍ أو حديثين بل أحاديث، ولا في كتابٍ حديثي أو كتابين فصاعداً.

٤_ شرحٌ لمراتـب الأحكـام مـن فـرضٍ، وواجـبٍ، وسـنةٍ، وأدبٍ، وحـرامٍ، ومكـروهٍ، تحريمـي وتنزيهـي ، ونحـو ذلك، ناظراً في أغوار الأدلة والعمل المتوارث والفقه المأثور.

٥_ شرحٌ لمعـاني الآثـار المختلفـة المرويـة في الأحكـام، وشرحُ مشكل الآثار ونفي التضاد عنها.

٦_ حلٌّ للمراحل الاجتهادية التي لا بد من المرور عليها للعمل بالحديث الشريف، وهي:

أ_ معرفـة الصـحيح والسـقيم، المتفـق عليـه مـنهما والمختلف فيه منهما.

ب_ فهمُ الحديث في غير المفسَّر والمحكم.

ج_ قضاءٌ في مختلف الحديث أعني في المتعارض من السنة ظاهراً.

۷_ استخراجٌ لأحكام النوازل والحوادث على ضوء القواعد الكُلِّية وعلل الأحكام المنصوص عليها ومقاصد الشريعة العامة.

فما الفقهُ الإسلامي إلا فهمٌ صحيحٌ للكتاب والسنة، ظاهرِهما وباطنِهما، ثم شرحٌ لأحكامهما، واستخراجُ ما في باطنهما، ثم تدوينٌ لكل ذلك مرتبا ومبوبا».

"ابتداء میں رسول اللہ ﷺ "کتاب و حکمت" کے جو کچھ معانی و مضامین اپنی خداداد فہم سے سمجھتے تھے اسی سمجھ اور فہم کا نام فقہ تھا، اسی طرح وہ تمام چیزیں اِس فقہ کا مصداق کہلاتی تھیں جنھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکت سے سیکھتے اور حاصل کرتے تھے، جن میں عقائد و احکام اور ان کی علل، مصالح اور حکمتیں، ان کے عمومی مقاصد، عبادات و اعمال کی عملی کیفیات، وہ ایمانی اخلاق جو دلوں میں مستور یا زبان و کردار پر نمایاں ہوتے تھے، وہ اسلامی آداب جو ان کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھے، وہ نورانی احوال جو ان کے ظاہر باطن میں جاری و ساری تھے، نیز دین کے مزاج اور طبیعت سے صحیح واقفیت، اس کی نمایاں صفات اور خصوصی امتیازات کا مکمل ادراک جیسی چیزیں شامل تھیں، یعنی فقہ ایک ایسی چیز کا نام تھا جو نبی کریم ﷺ کی صحبتِ بافیض کی برکت سے پورے طور پر صحابۂ کرام کا مزاج و مذاق بن چکی تھی، وہ چیز جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صحابہ کا تعارف کراتے ہوئے «وبِبَصَرٍ نافِذٍ قَدْ كفوا» (ان کا روکنا گہری بصیرت کی بنیاد پر ہے) اور ان سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے «أَوْ فَهمٌ أُعْطِيَه رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي كِتابِ الله» (یا کتاب اللہ کی وہ فہم جو

کسی مسلمان کو دی گئی ہو) کے الفاظ سے تعبیر کیا تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ تمام چیزیں حضراتِ تابعین کی طرف اور انھوں نے تبع تابعین کی طرف منتقل کیں۔

پھر جب آپ ﷺ رحلت فرما گئے تو نئے امور اور نئے مسائل پیدا ہوئے جو عہدِ نبوی میں نہیں تھے، صحابۂ کرام نے شریعت کے قواعد، مقاصد، علل اور مصالح میں غور وفکر اور قیاس کر کے ان کے احکام مستنبط کیے، جو درحقیقت آپ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل تھا، جو آپ نے نئے پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں فرمائی تھی، یہی طرزِ عمل تابعین اور تبع تابعین کا اپنے اپنے دور میں پیش آمدہ نئے حوادث و مسائل کے سلسلے میں رہا۔

چونکہ اللہ تعالی نے قرآن و حدیث کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اس لیے فقہ بھی اپنے ان دو بڑے مآخذ کی برکت سے محفوظ رہا، نیز اس کی حفاظت اُس سنتِ متوارثہ اور اسوہ حسنہ کی وجہ سے بھی ہوئی جو علمی توارث اور زبانی تواتر کے سہارے محفوظ چلی آ رہی ہیں اور اس فہم وفکر کی وجہ سے بھی جو سینہ بہ سینہ تواترِ صدور کے ذریعہ متوارث و محفوظ منتقل ہوتی آئی ہے، جس میں اسلاف کی صحبت، ہم نشینی اور ان کے رنگ میں رنگ جانے کو نمایاں دخل ہے۔

پھر جب تدوین کا دور آیا تو اس فقہ کا بیشتر حصہ سب سے پہلے کتبِ حدیث، کتبِ سنت، کتبِ سیرت اور دیگر کتبِ نقل و روایت میں مدون کیا گیا، اِن کتابوں کو صرف حدیث و روایت کی کتابیں سمجھنا سخت غلطی ہے، اس لیے کہ روایات و نقولِ محضہ کی تدوین بہت بعد میں ہوئی، جس کا آغاز تیسری صدی کے اوائل میں ہوا (جیساکہ علامہ ابن تیمیہؒ نے رفع الملام میں، حافظ ابن حجرؒ نے

مقدمہ فتح الباری میں اور علامہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں لکھا ہے، مصعب) پھر اس کے بعد اس کا ایک معتد بہ حصہ دیگر کتابوں میں بھی مدون ہوا، کچھ اصول دین، کچھ احوالِ قلوب اور کچھ آدابِ اسلامی کی کتابوں میں اور سب سے بڑا حصہ کتبِ فقہ میں مدون کیا گیا، ان تمام ادوار میں فقہ کی حفاظت اُن رجال اللہ سے جڑی رہی، جو رسول اللہ ﷺ سے اس علم کے حامل اور وارث تھے؛ ان ہی کے ذریعہ وہ کیفیات اور صفات محفوظ رہ سکیں جو عملی مثال کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی تھیں، نیز اس علم کی حفاظت اس کے صحیح فہم اور درست تعبیر کی وجہ سے بھی ہوئی جس کے مختلف گوشوں کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے، باقی دواوین اور کتابوں کے ذریعہ اس علم کی حفاظت تو درحقیقت یہ بھی ان ہی حضرات پر موقوف تھی، جیسا کہ مشاہد ہے۔

ہمیں فقہِ اسلامی کی یہ تاریخ جو اس علم کو رسول اللہ ﷺ سے شروع کرکے صحابہ کے واسطے سے ان کے بعد والوں تک پہنچاتی ہے اور مختلف مراحل میں اس کی تدوین کو بتلاتی ہے، یہ تاریخ متقدمین اہل علم کی کتبِ طبقات ورجال میں تو ملتی ہی ہے، اسی طرح اخیر زمانے میں فقہِ اسلامی کی تاریخ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں مثلاً: شیخ محمد بن حسن الحجویؒ کی «الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي» اور شیخ زاہد الکوثریؒ کی «فقه أهل العراق وحديثهم» وغیرہ میں بھی ملتی ہیں؛ لیکن میں جس چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ: ائمۂ حدیث اور اصحاب جرح وتعدیل جن کی اکثر یا ساری توجہ محض نقل و روایت پر منحصر رہتی تھی وہ بھی فقہ اور فقہاء کی تاریخ بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اسے صدر اول سے شروع کرکے اپنے زمانے تک پہنچاتے ہیں (اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے امام بخاریؒ کے

شیخ، علل حدیث کے ماہر امام علی ابن المدینیؒ کی وہ طویل عبارت نقل فرمائی ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فقہائے کرام کے درمیان اختلاف آراء در حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کا تسلسل ہے، مصعب)

مذاہب فقہیہ کا حاصل

اگر ان تمام باتوں پر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مذاہبِ فقہیہ در حقیقت درجِ ذیل امور کے مجموعہ کا نام تھا:

۱۔ عملِ متوارث اور فہمِ متوارث کی (ترتیب وار اور باب وار) تدوین۔

۲۔ بعد کے فقہائے کرام سے منقول فقہ کی (ترتیب وار اور باب وار) تدوین۔

۳۔ عبادات کی ان کیفیات کی تدوین جو اکٹھی ایک دو نہیں؛ بلکہ کئی احادیث میں بھی نہیں ملتیں اور نہ حدیث کی مستقل کتابوں میں ملتی ہیں۔

۴۔ احکام کے مراتب: فرض، واجب، سنت، ادب، حرام، مکروہِ تحریمی و تنزیہی کی تشریح جس کی بنیاد دلائلِ شرعیہ، عملِ متوارث اور سلف سے منقول فقہ کی تہوں میں غور وفکر پر تھی۔

۵۔ احکام کے سلسلے میں مروی متعارض آثار کے معانی کی تشریح اور مشکل احادیث کی شرح اور ان سے تعارض کا دفعیہ۔

۶۔ ان اجتہادی مراحل کا حل جن سے گزرنا حدیث شریف پر عمل کرنے والے کے لیے ضروری ہے، یعنی:

اَ۔ صحیح اور ضعیف روایات کی شناخت، متفق علیہ اور مختلف فیہ کے امتیاز کے ساتھ۔

ب۔ غیر مفسر و محکم احادیث کے معانی و مضامین کا فہم۔

ج۔ مختلف الحدیث یعنی بظاہر متعارض سنت میں حتمی فیصلہ۔

ے۔ قواعد کلیہ، منصوص احکام کی علتوں اور شریعت کے عام مقاصد کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کے حکم شرعی کا استخراج۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہِ اسلامی کتاب وسنت کے ظاہر وباطن کے صحیح فہم، پھر ان میں موجود احکام کی تشریح اور ان کے باطن میں پوشیدہ احکام کا اصول صحیحہ کے ذریعہ استخراج پھر ہر ایک کی ترتیب وار اور باب وار تدوین کا نام ہے"۔ (۱)

فقہ کی حقیقت فقیہ النفس علامہ ابن نجیمؒ کی زبانی

قال ابن نجيم:

«وفي الحاوي القدسي اعلم أن معنى الفقه في اللغة الوقوف والاطلاع وفي الشريعة الوقوف الخاص، وهو الوقوف على معاني النصوص وإشاراتها ودلالاتها ومضمراتها ومقتضياتها والفقيه اسم للواقف عليها.» (۲)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن نجیمؒ کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقہ اسلامی کی حقیقت یہ ہے کہ جن الفاظ میں شریعت کی تعبیر کی گئی ہے، اس کے منشا کو پانا اور جو کلام کی صحیح غرض ہو، اس تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، یعنی: قرآن و حدیث سے حاصل ہونے والی معلومات میں جن امور کی

---

(۱) تبصرہ بر کتاب اثر الحدیث الشریف از حضرت مولانا عبد المالک صاحب بنگلہ دیشی، غیر مطبوعہ۔

(۲) البحر الرائق: ۱/۷، مقدمۃ الکتاب، ط: دار الکتاب الاسلامی۔

طرف اشارہ کیا گیا ہو یا جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہوں یا ان کے جامع الفاظ میں جو باتیں مضمر و پوشیدہ ہوں یا جن امور کے وہ مقتضی ہوں، فقہائے کرام ان چیزوں سے واقف ہوتے ہیں، گویا فقیہ وہی ہو سکتا ہے جو در اصل کلام کے منشا کو پانے کی کوشش کرے اور متکلّم کے کلام کی غرض اور مطلب کو اپنے قابو میں لائے، گویا فقہ قرآن و حدیث ہی کی شرح ہے، قرآن و حدیث سے ہٹ کر فقہ کا کوئی تصور نہیں ہے"۔ (۱)

حضرت مولانا منظور نعمانی کی تصنیف "دین و شریعت" کا ایک اقتباس

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ کا وہ اقتباس بھی پیش کر دیا جائے جو انھوں نے اپنی مشہور تصنیف "دین و شریعت" میں فقہ کی حقیقت اور فہم سلف کی اہمیت پر لکھا ہے:

"قرآن کریم اور احادیث نبویہ دین اسلام کی اصل اور اساس ہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ کتاب و سنت کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ ہم ان سے براہ راست کوئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دیدیں؛ بلکہ کتاب و سنت سے کسی چیز کو معلوم کرنے کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص جو کتاب و سنت کی زبان اور ان کے اسلوبِ بیان سے پوری واقفیت رکھتا ہو، دین اسلام کے مقصد و مزاج اور تشریع کے اصول کا بھی پورا واقف اور ماہر ہو، اسلامی احکام پر خود بھی عمل کرتا ہو، وہ غور و فکر کرے اور کتاب و سنت کے مقصد و منشا کو سمجھے۔

اب ہم لوگ جو دین کے فہم میں بھی سلفِ صالحین کی برتری کے قائل

(۱) تدوین فقہ، ص:۱۷۱، الصدف پبلشرز، کراچی، طبع اول ۱۴۲۸ھ۔

ہیں اور اس لیے ان کے اتباع میں سلامتی سمجھتے ہیں، ہمارا اصول اور طریقۂ کار تو یہ ہے کہ جب ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ سلفِ صالحین نے اس بارے میں کتاب و سنت کا مقصد و منشاء یہ سمجھا ہے اور ان سب کا یا جمہور سلف کا یہ متفقہ مسلک ہے تو ہم صرف اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اور اسی کا اتباع ضروری جانتے ہیں اور اس کے خلاف ہر نئی رائے کو تسویلِ شیطانی سمجھتے ہیں اور جو لوگ سلفِ صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو ان کے علم و فہم سے زیادہ اپنے علم و فہم پر اعتماد ہے وہ اپنے رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب و سنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اسی کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں پس ہمارے اور ان کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل سند کتاب و سنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلفِ صالحین کو؛ بلکہ یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کا منشاء متعیّن کرنے کے بارے میں سلفِ صالحین کے فہم و فکر کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی بجائے سلف کے ان کی تقلید کریں"۔ (۱)

یہ اقتباس علامہ نعمانیؒ کی اُس تصنیف کا ہے جس میں اُن کے بقول:

"اسلامی اصول و تعلیمات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ دلوں سے عہد حاضر کے شکوک و شبہات اور اہل زیغ و ضلال کے مغالطات و تحریفات کی بھی صفائی ہو اور اس کے ذریعے علم و واقفیت کے ساتھ دین و شریعت کے بارے میں ذہنوں کو بصیرت اور قلوب کو یقین و اعتماد اور سلف صالحین کے اختیار کیے

(۱) دین و شریعت ص:۱۲۹، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

ہوئے مسلک اہل سنت کے بارے میں اطمینان بھی حاصل ہو تا جائے"۔

یہ ہے فقہ اسلامی کی صحیح حقیقت جو اسلاف و اخلاف کی تصریحات کی روشنی میں پیش کی گئی ہے، اگر اس موضوع پر کوئی مزید تشفی کا طالب ہو تو اکابر دیوبند میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا رسالہ "سبیل الرشاد" [1]، حضرت شیخ الہندؒ کی تصنیف "ایضاح الادلۃ" اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" کا گہرائی اور اتقان کے ساتھ مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہو گا۔

(۱) اس رسالے کا وہ حصہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے جس میں حضرت گنگوہی قدس سرہ نے قیاس کی حقیقت، اس کا صحیح محل اور متعارض و محتمل نصوص کے سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور حضرات فقہاء رحمہم اللہ کے محتاط اور قابل اتباع منہج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، نیز علل نصوص کے ادراک میں فقہائے محدثین کی فہم و بصیرت، طرق استدلال اور فقہی جزئیات میں اختلافات کے بنیادی اسباب پر بصیرت افروز کلام کیا ہے، احقر نے یہ پورا مضمون "قیاس اور اجتہاد فی النص" کے عنوان سے مرتب کیا تھا جو ماہنامہ دار العلوم دیوبند، شمارہ: ۳، ۲، جلد: ۱۰۴، جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ مطابق فروری، مارچ ۲۰۲۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

دور نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی جامع تاریخ

حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی کا ایک قیمتی اور جامع رسالہ

فقہ اسلامی اور دوسرے علوم کے تعلق سے جو شکوک و شبہات سامنے آتے ہیں، اس کی ایک وجہ علوم شرعیہ کی تدوین و تاریخ سے صحیح واقفیت کا نہ ہونا بھی ہے، علم دین؛ دور نبوی سے متاخرین تک کیسے منتقل ہوا اس بارے میں صاف ستھری اور بے غبار تصویر سامنے رہنا ضروری ہے، اس سلسلے میں سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے خلیفہ، دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر؛مگر نہایت جامع اور قیمتی رسالہ لکھا ہے، جس سے دور نبوی سے متاخرین تک علوم شرعیہ کے تاریخی تسلسل کی صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے، حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی قدس سرہ نے یہ مکمل رسالہ اپنی مقبول ترین کتاب: الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن کے حاشیہ میں نقل فرمادیا ہے، موضوع کی مناسبت سے یہ مختصر رسالہ اردو ترجمے کے ساتھ نذر قارئین ہے۔

قال شيخنا المحقق المفضال العلامة المحدِّث حيدر حسن خان الطُّوْنْكِي رحمه الله، في رسالته التي ألَّفها لإثباتِ حُجِّيَةِ العَمَلِ المتوارث:

«من المعلوم أنَّ في عهدِ النبي صلّى الله عليه وسلم،

وكذا في عهدِ الصحابة رضي الله عنهم، لم يكن دُوِّنَ تعليمُ النبي صلَّى الله عليه وسلم في تدوين ولاتصنيف، سوي كتاب الله سبحانه، وإنما كانوا يعملون بما عَلَّمهم النبي صلَّى الله عليه وسلم من سنته في دين الإسلام من العقائد والأحكام، ويحفظونها في صدورهم.

ولما فُتِحَ العراقُ في عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه، ودَخَل أهلُ تلك البلاد في الإسلام، أرسَل عمرُ رضي الله عنه عبدَ الله بن مسعود رضي الله عنه إلىٰ أهل العراق، ليعلِّمَهم الإسلامَ وسنَّةَ النبي صلَّى الله عليه وسلم، وكان ابن مسعود رضي الله عنه أعرفَهم بالسنَّة وأشبهَهم به صلَّى الله عليه وسلم هَدْيا ودَلًّا وسَمْتًا.

فكان رضي الله عنه يعلِّمُهم الإسلامَ والسنَّة، مما كان يحفَظُ في صدره، ويعمَلُ به، وصار تعليمُهُ وعَمَلُهُ شائعًا في أهل العراق.

وقد كان أهلُ العراق يخْتلِفُون في المواسِم إلى المدينةِ المنورة ومكة المكرمة، وكذا أهلُ الحجاز من الصحابة رضي الله عنهم يختلِفون إلى العراقِ، ومنهم عُمَرُ رضي الله عنه الذي أرسَلَ ابنَ مسعود رضي الله عنه، فشاهَدُوا أهلَ العراق يصَلُّون ويصُومون، كما علَّمهم ابنُ مسعود رضي الله عنه من سُنَّة النبي صلَّى الله عليه وسلم.

ولم يرْوَ ولم يؤْثَر عن أحد من الصحابة، لامِن عُمَر ولا من غيرِه رضي الله عنهم أجمعين، أنه زَاحمَهُم في تعليم ابنِ مسعود رضي الله عنه، بأنه عَلَّمهم خلافَ سُنَّةِ النبي صلَّى الله عليه وسلَّم في الصلاةِ أو غيرِها من الأحكام.

وقد كان أصحابُ النبي صلَّى الله عليه وسلم يبعُدُ عنهم كلَّ البُعدِ أن يرَوْا أحدًا يفعل خلافَ السنَّة، ثم يسكُتُون عنه، وهٰذا أمرٌ لاريبَ فيه، ولاينكَرُ تعليمُ ابن مسعود أهلَ العراق، ولاشُيوعُ هٰذا التعليم في عصرِ الصحابة، فكان إجماعُ الصحابة علىٰ هٰذا التعليم إجماعًا سكوتيا، كالإجماع علىٰ جَمْعِ القرآن.

ثم جَلَس بعدَ ابنِ مسعود رضي الله عنه مكانَهُ صاحباه عَلْقَمَةُ والأسودُ، يعلِّمانهم كما علَّمهما، فلم ينكَر عليهما أيضًا لافي هٰذا التعليم ولا على العمل به، وهَلُمَّ جَرًّا إلىٰ أن جاء عهدُ أئمة العراق المعروفين بالفقهِ والفُتْيا، واطَّلعوا على اختلاف الرواياتِ والأحاديث عن النبي صلَّى الله عليه وسلم، وكان منها مايخالفُ تعليمَ ابن مسعود رضي الله عنه والعمَلَ به، فعند ذلك لجأوا إلى العملِ المتوارثَ، وجعلوهُ مِعيارًا لنقدِ الرواياتِ والأحاديث المختلِفة، أعني عَمَل السلفِ الصالح جماهيرِ علمائِهم.

فـإنَّ الأئمـةَ شـاهدوا أن راوي الحـديث يرويـه ولايعمَـلُ بـه، ويـروَى عنـه الحـديثُ ويـروَى عنـه العمـلُ بخلافه، فحينئذٍ تأوَّلوا في الحديث، وعَمِلوا بعَمَلِ الراوي.

وذلك لأنَّ علماء الصحابةِ رضي الله عنهم، وكذا التَّابِعين جماهيرِهم يبعُدُ عنهم كلَّ البعد أن يرْوُوا الحديثَ ولايعملون به، فإنَّ خلافَ الحديث بالعمل يسقِطُ العدالة. فلابد أن يكون الحديثُ غيرَ معمول به إما لكونِهِ مؤوَّلًا، أومنسوخًا، أولغير ذلك من الوجوه.

وقـد كـانوا في خـير القـرون الـذين ورَد في شـأنهم ﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ الآية، وأيضًا ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدىٰ وَيَتَّبِعْ غَيرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الآية، فكُنَّا مأمورين باتِّباعهم وتقليدهم في الدين، والعملِ بالسنة.

ولذلك وَضَع أهلُ العراق ضابطة: (أنه إذا ثبَتَ عن الراوي حديثٌ، والعَمـلُ بخلافه:لايعمَـلُ بالحديث، بـل يعمَـلُ بالعمـل). وكـذا الإمـامُ مالـك رضي الله عنـه، إنـما يعمَلُ بعَملِ أهل المدينة إذا وقع الاختلافُ في الحديث.

وقـد كـان السـلفُ أهـلُ القـرن الأول مـن الصـحابة والتابعين، يرْوُون كثيراً من الأحاديث عن النبي صلَّى الله عليه وسلم ولم يعملوا بها، نحوُ حديث ابن عباس رضي الله

عنهما أن النبي صلَّى الله عليه وسلم جمَعَ بين الظهرِ والعصرِ في المدينة، والمغربِ والعشاءِ من غير خوفء ولامَطَرٍ.

وكذا حديثُ الصلاة في مَرَضِ النبي صلَّى الله عليه وسلم أنّه أمَرَ أبابكر رضي الله عنه أن يصلِّي بالناس، فقام يصلِّي بهم، إذ جاء النبي صلَّى الله عليه وسلم وأبوبكر يصلي بالناس، فصلَّى إلى جنب أبي بكر والناسُ يأتمون بأبي بكر، وأبوبكر يأتمُّ بالنبي صلَّى الله عليه وسلم. فصار الإمامة للرجلينِ بالتحريمتين، فهٰذا الذي يدلُّ عليه الحديث، ولم يعمل به أحدٌ من رواة هٰذا الحديث، لا من الصحابة ولا من التابعين.

وكذا حديثُ:كان النبي صلَّى الله عليه وسلم يضَعُ يمينه علىٰ شِمالِه، يشمَلُ حالةَ القَوْمَة، ولم يؤثر عن السلف الوضعُ في هٰذه الحالة، فصار العَمَلُ خِلافَ الحديث في هٰذه الحالة.

وكذا حديثُ:ماأدركتم فصلُّوا، وما فاتكم فاقْضُوا، يشمَلُ الذي فاته الركوعُ مع الإمام، وأدرَك السجدتين والتشهدَ، ومع ذٰلك يقضِي ماصلَّى مع الإمام بالإجماع، وذٰلك يخالفُ عمومَ ماأدركتم فصلوا.

فإن نظرتَ في الأحاديث وجدتَ كثيراً أنَّ السَّلَفَ يروَى عنهم الأحاديثُ، ويروَى عنهم العَمَلُ خِلافَ

روايتهم، ولمَّا كان السلفُ هُداةً مَهْدِيين، أُمِرنا بتقليدِهم في الدين، ففي خلافهم للرواية دليل صريحٌ في أن الرواية فيها عِلَّة، وبها لم يعمَلوا بها، فلذلك جَعَلَ السلفُ من أئمة العراق معيارَ نقدِ الروايات عندَ اختلافها عَمَلَ السلفِ الصالحين، من علماء الصحابة والتابعين، الذين كانوا في خير القرون.

وذلك لأنّ الأُمَّة الآتية كانوا مأمورين بتقليدهم في الدين والشريعة، لما تلونا عليك من الآيات، ولقوله صلَّى الله عليه وسلم: «أصحابي أَمَنَةٌ لأُمّتي...» الحديث رواه مسلم. ولقوله صلَّى الله عليه وسلم: «مَا أنا عليه وأصحابي» الحديث.

فصار عَملُ جماهيرهم من كبارِ العلماء حُجَّةً شرعيةً من إحدي الحُجَج الشرعية، ألاتَرىٰ إلىٰ عَملِ الأمة في قراءةِ القرآن وختمِهِ في التراويح، ولم يرْوَ ذٰلك عن النبي صلَّى الله عليه وسلم ولاعن الصحابة رضي الله عنهم في عهده صلَّى الله عليه وسلم، حتي يكونَ تقريراً، وإنما ثَبَتَ ذٰلك بعَمَلِ السلف.

وكذا صلاةُ الجماعة في التراويح، كان النبي صلَّى الله عليه وسلم صلَّى بهم ثم تَرَكها، ولم يأذن لهم أن يصلُّوا بالجماعة، فكأنه صار منسوخًا، ولم يعهَد أيضًا بعدَ تركِهِ

صلَّى الله عليه وسلم أنه صلَّوا التراويحَ بالجماعة في عهده صلَّى الله عليه وسلم، حتي يكونَ تقريراً لذلك، بل الجماعةُ في التراويح إنما هو عَملُ السلف رضي الله عنهم فحسب.

فعَمَلُهم حُجةٌ شرعية، وقد صَرَّح بذلك الفقهاءُ رحمهم الله تعالىٰ.

فإذا عرفتَ ذٰلك، تبينَ لك أنَّ فقه أئمة العراق قد فُرِّعَ علىٰ تعليم ابن مسعود رضي الله عنه، الذي جَرَى عليه عَمَلُ العراقيين من السلف، ووافَقَه في كثير من المسائل فُتْيا علي وابنِ عباس وعَمَلُهما. ويقرُبُ من فقهِ العراق فقهُ الإمام مالك رحمه الله تعالىٰ.

فهٰذا هو فِقهُ العراق والحجازِ الذي كان عليه أئمة الأمصار، من العلماء الذين كانوا في أوائل القرنِ الثاني، وهو المئة الثانية من الهجرة النبوية علىٰ صاحبها الصلاة والتحية.

وأما فِقهُ المتأخرين، أعني فقهَ الأئمة الذين ظهروا بعدَ القدماءِ في آخرِ المئةِ الثانية، وأوائل المئة الثالثة، بعد ماتقادَمَ الزمان، وتُوفِّيَ التابعون ومَنْ عاصَرَهم ممن تَبِعَهم من الأئمة، حين غاب عَملُ هٰذه الطبقة عن المشاهدة، فنشأ هؤلاءِ الأئمة الذين لم يشاهِدُوا العمل، وإنما بلَغَهم الرواياتُ باختلافٍ كثير، فلجأوا إلىٰ نقدِ الروايات بالرواة،

ولذٰلك وضعوا الكلامَ في الرجال جَرْحًا وتعديلًا وتوثيقًا وتضعيفًا، وقد سُمِّي هٰذا الكلامُ والبحثُ بعلم أسماءِ الرجال، فعَملوا بروایاتٍ عَرَفوا عدالةَ رُواتِها بمعيارِ أسماءِ الرجال، فهٰذا هو مِعيارُ الأئمةِ المتأخرين لنقدِ الروايات.

ولايخْفَى علىٰ من طالع كتب أسماء الرجال، أنَّ من الرواة من هو عادِلٌ عند إمام، وغيرُ عادلٍ عند آخرَ، وذٰلك لأنَّ الأصل في الجرح والتعديل قولُ من عاصَرَ الراوي، لامَنْ بعدَهُ، لأنه لاسبيلَ إلىٰ معرفةِ من لم يعاصِره، ولاريبَ في أنَّ من المعاصرين مَنْ عَرَف عدالة الراوي بظاهرِ حاله، وخَفِي عليه مايخَالِفُ عدالته، وقد اطَّلَعَ علىٰ جَرْحِهِ غيرُه ممن عاصَرَ ذٰلك الراوي، فظَهَرَ الجرحُ في الراوي بقولِ معاصرٍ آخر، فاختلَفَتْ أقوالُ المعاصرين في الجرح والتعديل، ولذلك وضعوا ضابطةَ: (أنَّ الجَرْحَ مقدَّمٌ علَى التعديل).

والغَرَضُ أَنَّ هٰذا المِعيار هو الذي نَشَأ منه الاختلافُ بين الفقهين:فقهِ المتقدمين وفقهِ المتأخرين، فإنَّ المتأخرين اطَّلعوا علىٰ رواياتٍ زَعَمُوا أنَّ رُواتَها عُدُول، ورَفَضُوا رواياتٍ أخرىٰ تُضَادُّ رواياتِهم، وقد كانت هٰذه الرواياتُ صحيحةً برُواةٍ كانوا عادِلين بزعم المتقدمين، ومَعَ ذٰلك فالرواياتُ التي عَمِلَ بها الفقهاء المتقدمون- لو سُلِّمَ أنها

بـرُواةٍ ضـعفاء- فقـد صَـحَّحَها عَمـلُ الصـدرِ الأول جماهيرِهم. وهٰذه ضابطةٌ من ضوابط الأصول (أنَّ الروايةَ الضعيفةَ يصَحِّحُها العَمَلُ).

هٰذا، ومن المعلوم أنَّ العقائدَ الإسلاميةَ مُدوَّنـةٌ في الكتب علىٰ وجهين، وجهٍ علىٰ مسلكِ السلف، ووجهٍ علىٰ مسلكِ الخلف، ولكلٍّ وجهةٌ هو مُوَلِّيها، فمنهم من رجَحَّ الأولَ بوجه، ومنهم من رَجَّحَ الثاني بوجه. ثم بعدَ ذٰلك من شاء نظر في هٰذا الباب، وفكَّر في الوجهين فاختار من الوجهين، حيث أدَّى إليه نظرُهُ وفِكرُه.

فكذٰلك الفَرْقُ بين الفقهين المذكورين:فقهِ السَّلف، وفقه الخَلَف، فالأولُ مِعيارُهُ عَملُ الصدر الأول، والثاني مِعيارُهُ الكلامُ في الرواة من جَرْح وتعديل.

ومن وسَّع نظرَهُ في كتب أسماء الرجال، وجَدَ فيها العجائبَ من أنَّ مِنَ الرُّواةِ مَنْ هو عَمُودٌ من عمائدِ الدِّين، والأقوالُ في جَرْحِهِ كثيرة، تجدُهُ في كتب الرجالِ كأنه يخرِّبُ الدين، كأنه في الأمة نظيرُ عبدِ الله بن سَبأَ في تخريب مِلَّة الإسلام (وما كان من هذا النوع فهو من الجرح المعلول بل المتروك وهو مميز عن الجرح السالم من الآفات، قاله المحدث الناقد الشيخ عبد المالك الكملائي) وكذٰلك مِن الرواةِ من كان عَدُوًّا للدين، من الغالين في الاعتزالِ،

والمحترِقين بالتشيع والرفضِ والبدعةِ الخبيثة، ومع ذٰلك فقد صَحَّحُوا رواياتِه (إذا كانوا صادقين أمناء في الرواية ضابطين فيها، مثبتين، فلنا صدقهم وعليهم برعتهم،قاله المحدث الناقد الشيخ عبد المالك الكملائي) فمن تحرَّى في هٰذا الباب وعَلِمَ الفَرْقَ بين المعيارين:عَمَلِ السلفِ، وأخبارِ الرواة، فليتمذهب بأي مذهبٍ شاء، وليتَفقه بأي الفقهينِ أدَّى إليه نظرُهُ وبصيرتُه». (مع العلم برجحان منهج السلف لأمور ذكر بعضها الشيخ ويوجد ذكر غيرها في مصادرها، قاله المحدث الناقد الشيخ عبد المالك الكملائي) انتهىٰ ما في رسالةِ شيخنا حيدر حسن خان رحمه الله تعالىٰ حول حجية العمل المتوارَث، وهي محفوظة عندي منقولة من أصلها».

"حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کتاب اللہ کے علاوہ دوسری اسلامی تعلیمات مدوّن نہیں تھیں، رسول اللہ ﷺ جو عقائد واعمال کی تعلیم دیتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیکھ کر اسی کے مطابق عمل کرتے اور ان کو اپنے دلوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عراق اسلامی حکومت کے زیرنگیں آیا اور وہاں کے لوگوں نے اسلام کا دامن تھام لیا تو ان کو قرآن وسنت کی تعلیم دینے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عراق بھیجا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار ان

صحابہؓ میں ہوتا ہے جو حضور ﷺ کی سنت کو سب سے زیادہ جاننے والے اور حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے تھے، انہوں نے اپنے دل میں محفوظ تعلیماتِ نبوی ﷺ اور اپنے عمل سے باشند گانِ عراق کو کتاب وسنت کی تعلیم دی، یہاں تک کہ تمام اہلِ عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیم اور عمل مشہور ومعروف ہوگیا، عراق کے لوگ موسمِ حج میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ آیا جایا کرتے تھے اور صحابہؓ بھی عراق کی آمد ورفت رکھتے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک بار عراق تشریف لائے اور تمام صحابہؓ نے اہلِ عراق کو عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کی روشنی میں نماز روزہ کرتے ہوئے دیکھا بھی؛لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابیؓ سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیم پر نقد کیا ہو اور اس کو خلافِ سنت بتلایا ہو؛ حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی کو خلافِ سنت کوئی کام کرتا ہوا دیکھیں اور خاموش بیٹھ جائیں؛ لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیم پر خاموش رہنا اجماعِ سکوتی ہے جیسے جمع قرآن پر ان کا اجماع سکوتی تھا۔

عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے تلامذہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہما نے اس منصب کو سنبھالا اور لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دی، ان کی تعلیم وعمل پر بھی کوئی نکیر نہیں کی گئی، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ ان علماءِ عراق کا دور شروع ہوا جو فقہ وفتاویٰ کے ساتھ مشہور ہوئے، ان کے پاس مختلف احادیث کا ایک ذخیرہ تھا، جن میں بعض

عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیم اور ان کے عمل کے خلاف تھیں؛ چنانچہ انھوں نے سلفِ صالحین کے عملِ متوارث کو احادیث کے جانچنے اور پرکھنے کا معیار بنایا؛ اِس لیے کہ انھوں نے دیکھا کہ راوی ایک حدیث روایت کرتا ہے؛ حالانکہ اس کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے، اسی طرح ایک راوی سے ایک حدیث روایت کی جاتی ہے اور عمل اس حدیث کے خلاف روایت کیا جاتا ہے، ایسے وقت فقہاء نے حدیث میں تاویل کی اور راوی کے عمل کو لیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظام کے بارے میں یہ خیال کرنا ناممکن ہے کہ وہ کوئی حدیث روایت کریں اور روایت ان کے نزدیک صحیح بھی ہو پھر بھی وہ اُس کے خلاف عمل کریں؛ کیونکہ صحیح حدیث کے خلاف عمل کرنا عدالت کو ساقط کردیتا ہے، پس یہ ماننا پڑے گا کہ وہ حدیث ان کے نزدیک مؤول منسوخ یا کسی دوسری علت کی وجہ سے معمول بہ نہیں تھی۔

فقہاءِ متقدمین کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا جن کے بارے میں قرآنِ کریم میں آیا ہے: ﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ اور ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تو دین اور احادیث پر عمل کرنے کے سلسلہ میں ہمیں ان کی اتباع اور تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی وجہ سے فقہاءِ عراق نے یہ ضابطہ بنایا کہ جب کسی راوی سے کوئی حدیث منقول ہو اور اس کا عمل اس کے خلاف ہو تو حدیث کو نہیں لیا جائے گا؛ بلکہ اس کے عمل کو لیا جائے گا۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ احادیث میں اختلاف کے وقت اہلِ مدینہ کے عمل کو لیتے ہیں۔

چنانچہ صحابہؓ اور تابعین رضی اللہ عنہم بہت سی ایسی روایت نقل کرتے ہیں جن کے مطابق وہ خود بھی عمل نہیں کرتے ہیں، مثلاً حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں خوف وبارش کے عذر کے بغیر ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھانے لگے، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر میں نماز اداء فرمائی، لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے اور حضرت ابوبکر حضور ﷺ کی، تو یہاں دولوگوں نے دوتحریمہ کے ساتھ امامت کرائی، حدیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے؛ حالانکہ اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابہؓ وتابعینؒ میں سے کسی نے اس کو معمول بہ نہیں بنایا۔

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، اب یہ حدیث قومہ کی حالت کو بھی شامل ہے؛ حالانکہ اسلاف میں سے کسی سے منقول نہیں کہ اس نے قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھا ہو، سوان کا یہ عمل بظاہر حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ایسے ہی ایک حدیث میں آیا ہے: «ماأدرکتم فصلوا، ومافاتکم فاقضوا» (کہ تمہیں امام کے ساتھ جتنی نماز مل جائے اس کو پڑھ لو اور جو امام کے ساتھ نہ ملے اس کی قضاء کرو) اب یہ حدیث اس رکعت کو بھی شامل ہے جس میں مقتدی امام کے ساتھ رکوع کو نہ پائے؛ لیکن

دونوں سجدہ اور تشہد کو پالے، اس کے باوجود تمام علماء کے نزدیک اس رکعت کی قضاء کرے گا، پس ان کا یہ قول «ماأدرکتم فصلوا» کے خلاف ہے۔

اگر احادیث کا تتبع کیا جائے تو بہت سی ایسی روایات ملتی ہیں جو سلف سے منقول ہیں؛ حالانکہ ان کا عمل اس کے خلاف ہے۔

دوسری طرف سلفِ صالحین امت کے پیشوا اور مقتدا ہیں، دین کے سلسلہ میں ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، توان کا کسی حدیث کے خلاف عمل کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ روایت میں کوئی علتِ قادحہ ضرور ہے جس کی وجہ سے انھوں نے اس کو معمول بہا نہیں بنایا؛اِسی لیے متقدمین عراقی علماء نے احادیث میں اختلاف کے وقت سلف صالحین صحابہؓ وتابعین کے عمل کو روایات پر نقد کرنے کا معیار بنایا۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کو دین وشریعت کے سلسلہ میں ان کی اتباع اور تقلید کا حکم دیا گیا ہے، خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے:«أصحابي أمنة لأمتي» (کہ میرے صحابہؓ میری امت کے لیے امانت ہیں) نیز آپ ﷺ نے فرمایا:«ماأنا علیه وأصحابي»۔

پس جمہور کبار علماء کا عمل ایک حجتِ شرعی ٹھہرا، مثلاً تراویح میں تلاوتِ قرآن اور ختم قرآن کا امت میں ہمیشہ سے معمول رہا ہے؛حالانکہ نہ یہ آپ ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابۂ کرامؓ سے؛لیکن سلفِ صالحین کے عمل سے ثابت ہے، اسی طرح نمازِ تراویح باجماعت کا مسئلہ ہے، حضور ﷺ نے صحابہؓ کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی؛لیکن پھر ترک کردیا اور ان کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اجازت نہیں دی، گویا کہ حضور ﷺ کا یہ عمل منسوخ ہوگیا اور

اس کا بھی ثبوت نہیں ہے کہ حضرت ﷺ کے ترک کرنے کے بعد صحابۂ کرامؓ نے آپ کی زندگی میں باجماعت تراویح کی نماز پڑھی ہو کہ وہ تقریری فعل ہی بن جاتا؛ بلکہ باجماعت تراویح کا معمول سلف کے زمانہ سے شروع ہوا، پس ان کا یہ عمل حجت شرعی قرار پایا، فقہاء نے اس کی صراحت بھی کی ہے۔

جب اتنی بات آپ سمجھ گئے تو یہ بات آپ کے سامنے واضح ہوگئی ہوگی کہ اہلِ عراق کی فقہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیمات پر مبنی ہے جن کا سلف صالحین کے زمانہ میں عراق کے اندر تعامل رہا اور بہت سے مسائل میں حضرت علی اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ اور عمل بھی اسی کے موافق ہیں، اہلِ عراق کی فقہ کے قریب قریب امام مالک رحمہ اللہ کی فقہ ہے اور فقہ حجازی وعراقی ہی پر دوسری صدی ہجری کے اوائل تک تمام علماء کا عمل رہا۔

تابعین اور تبع تابعین کے بعد دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کی ابتداء میں جو فقہاءِ کرام آئے تو ان کے سامنے صحابہؓ وتابعینؒ کا عمل نہیں تھا، ان کو صرف احادیث پہنچیں اور احادیث میں انھوں نے اختلاف پایا تو انہیں رُواۃ کو سامنے رکھ کر حدیثوں کی جانچ پڑتال کی ضرورت محسوس ہوئی، اور اس کے لیے انھوں نے رجالِ احادیث میں جرح وتعدیل اور توثیق وتضعیف کی خدمت انجام دی اور اس بحث وکلام کو ''اسماء الرجال'' کا نام دیا اور صرف انہیں روایات کو معمول بہا بنایا جن کے راوی ان کے مقرر کردہ قواعد پر کھرے اُترے، یہی متاخرین ائمہ کے نزدیک احادیث پر نقد کا معیار ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اسی بنیاد پر متقدمین علماء اور متاخرین علماء کی فقہ میں اختلاف پیدا ہوگیا، متاخرین نے جن روایات کے راویوں کو اپنے معیار پر عادل

سمجھا، ان کی روایات کو لے لیا اور جو روایات ان کے مخالف تھیں ان کو ترک کر دیا؛ حالانکہ وہ روایات متقدمین کے معیار کے مطابق صحیح تھیں۔

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ متقدمین فقہاء نے جن روایات کو لیا ہے وہ ضعیف تھیں تب بھی پہلی صدی میں جمہور امت کا ان کو معمول بہا بنانا ان کو صحیح بنادیتا ہے؛ کیونکہ ایک اُصولی ضابطہ ہے کہ ضعیف روایت کو عملِ امت صحیح بنادیتا ہے۔ (یعنی تعامل امت متعلقہ روایت کی صحت پر مضبوط معنوی قرینہ ہے)

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کتابی شکل میں اسلامی عقائد کی تدوین دو طریقے سے ہوئی ہے: ایک متقدمین کے طریقے پر اور ایک متاخرین کے طریقے پر۔ متقدمین کا معیار صدرِ اوّل کا عمل تھا اور متاخرین کا معیار رواۃِ حدیث پر جرح وتعدیل تھا اور ہر ایک کا اپنا ایک منہج اور طریقہ ہے، بعض علماء نے پہلے کو راجح قرار دیا اور بعض نے دوسرے کو، اب جو شخص چاہے ان دونوں طریقوں میں غور وفکر کرے اور جو طریقہ اس کو صحیح لگے اس کو اختیار کر لے۔

ہر شخص کو اس سلسلہ میں غور وتدبر کرنا چاہیے اور دونوں معیاروں کے مابین فرق کو جاننا چاہیے، اس کے بعد متقدمین اور متاخرین میں سے جس کے طریقے پر بصیرت اور اعتماد ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے" اھ۔[1]

---

(۱) حاشیہ الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن، ص:۸۶ تا ۹۰، تحقیق شیخ عبدالفتاح ابو غدہ، مکتبہ الاتحاد، دیوبند، اس موضوع پر مزید مطالعے کے لیے دیکھیں: مقدمہ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، الاسناد من الدین، صفحۃ مشرقۃ من تاریخ سماع الحدیث عند المحدثین للشیخ عبدالفتاح ابو غدہ۔

تعاملِ سلف کی اہمیت: شہید اسلام علامہ لدھیانویؒ کا محقق کلام

حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے تعامل سلف کے تعلق سے جو اصولی باتیں لکھی ہیں، وہ توجہ کے قابل ہیں، اس کی مزید تشریح حضرت مولانا یوسف لدھیانوی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

> ''تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اکابر تابعین کا تعامل کسی مسئلے میں حجت قاطعہ شمار ہوتا تھا اور احادیث کی صحت وسقم کے لیے معیار کی حیثیت رکھتا تھا، جو احادیث کہ اکابر صحابہ و تابعین کے تعامل کے خلاف ہوتیں، انہیں شاذ، منسوخ یا مؤول سمجھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ موطا میں جگہ جگہ تعامل اہل مدینہ کا حوالہ دیتے ہیں اور جو احادیث اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف ہوں، انہیں غیر معمول بہا قرار دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی میں احادیث کے جتنے مجموعے مرتب کیے گئے، ان میں حضور ﷺ کے ارشادات کے ساتھ حضرات صحابہ و تابعین کا تعامل بھی ذکر کیا جاتا تھا؛ لیکن خیر القرون کے بعد چونکہ معیاری تعامل آنکھوں کے سامنے نہیں رہا تھا، اس لیے احادیث کی صحت وسقم اور ان کے معمول بہا ہونے یا نہ ہونے کا مدار صرف سند کی صحت و ضعف اور راویوں کی جرح و تعدیل پر رہ گیا اور روایات کے مقابلے میں تعامل سلف کی اہمیت نظروں سے اوجھل ہوگئی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو خیال ہونے لگا کہ ایک ایسی روایت جس کے راوی ثقہ ہوں، اس کے مقابلے میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کسی روایت کے راویوں کی ثقاہت و

عدالت اور فہم و دیانت کو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل پر ترجیح دے ڈالنا نہ صرف یہ کہ صحت مندانہ طرز فکر نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اگر اس کو رفض کا خفی شعبہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا؛کیونکہ رفض کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ بعد کے راویوں کے بھروسے حضرات صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو نص نبوی کی مخالفت سے مطعون کیا جائے،اول تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات سے واضح ہے کہ انھوں نے اپنی استعداد کے مطابق آپ ﷺ کے اقوال و اعمال اور احوال کو اپنے اندر ایسا جذب کرلیا تھا کہ ان کی سیرت جمال نبوی کا آئنہ بن گئی تھی اور پھر وہ سنت کے ایسے عاشق تھے کہ ان کے نزدیک آں حضرت ﷺ کی ایک سنت دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی تھی، اِدھر قرآن کریم میں ان کے راستے کو سبیل المؤمنین کہہ کر ان کی اقتداء کا حکم فرمایا گیا اور حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصا حضرات خلفائے راشدین کی اقتداء کے بارے میں جو وصیتیں اور تاکیدیں فرمائی ہیں، وہ سب کو معلوم ہیں، ان وجوہ کے پیش نظر سنت ثابتہ وہی ہے جس پر اکابر صحابہ کرام و تابعین کا تعامل رہا اور جو روایت ان کے تعامل کے خلاف ہو وہ یا تو منسوخ کہلائے گی یا اس میں تاویل کی ضرورت ہوگی، ایسی روایت جو تعامل سلف کے خلاف ہو، صدر اول میں شاذ شمار کی جاتی تھی اور جس طرح متاخرین محدثین کی اصطلاحی شاذ روایت حجت نہیں، اسی طرح متقدمین کے نزدیک ایسی شاذ روایات حجت نہیں تھیں، اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو تعامل ہی کی برکت سے ہمارے دین کا نصف حصہ عملا متواتر ہے اور تعامل ہی تعلیم و تعلم کا قوی ترین ذریعہ ہے، اگر تعامل کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو محض روایات کو سامنے رکھ کر

کوئی شخص نماز کا مکمل نقشہ بھی مرتب نہیں کر سکتا جو دن میں پانچ بار پڑھی جاتی، چہ جائے کہ پورے دین کا نظام مرتب کر دیا جائے، اس لیے صحیح طرز فکر یہ ہے کہ اکابر صحابہ و تابعین کے تعامل اور روایت کو بیک وقت پیش نظر رکھ کر دونوں کے درمیان تطبیق دی جائے"۔ (۱)

علامہ لدھیانویؒ کے اس اقتباس میں ان کی مشہور و معروف خصوصیت "دین کی مجموعی تشریح و ترجمانی میں صلابت فکر اور صحت تعبیر" خوب جھلکتی ہے۔

خلاصہ

مذکورہ تفصیل سے قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے دین اسلام کی حفاظت کا جو قدرتی نظام قائم فرمایا ہے، وہ کتنے مستحکم اصولوں پر قائم ہے اور دین کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے کس درجہ گہرائی و تدبر کی ضرورت ہے؟ ماقبل کی تفصیلات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ:

"حضور ﷺ جب تک اِس دنیا میں رونق افروز رہے، امت نے آپ کے ارشادات اور اسوہ حسنہ کو براہ راست اخذ کرکے اس پر عمل کیا، پھر آپ کے ارشادات بلا واسطہ سننے والے اور آپ کے اعمال وافعال کو بچشم خود دیکھنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے علم وہدایت کے اس پورے خزانہ کی غیر معمولی اہتمام اور شغف کے ساتھ حفاظت کی اور پوری امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہنچایا، پھر بعد کے قرنوں میں اللہ تعالی نے آپ کی امت کے بہترین افراد کو احادیث و سنن کے اس بے پایاں دفتر کی تدوین و ترتیب، تحقیق و تنقید،

(۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۳۱۲/۲ تا ۳۱۴، مکتبہ لدھیانوی، کراچی۔

تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح، حفظ و اشاعت اور اس سے متعلق بہت سے مستقل علوم وفنون کی ایجاد اور پھر ہر فن میں بہتر سے بہتر تالیف و تصنیف وغیرہ سیکڑوں قسم کی خدمات کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ کو اس دنیا سے گئے چودہ سو سال سے زیادہ مدت گذر چکی ہے؛ لیکن آپ کے ارشادات اور اسوہ حسنہ کی روشنی ہر راہ رو کے لیے آج بھی ایسی ہی موجود ہے جیسی کہ قرن اول میں تھی"۔ (۱)

(۱) مقدمہ معارف الحدیث از محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی قدس سرہ، ص:۳۹، دار الاشاعت، کراچی ۲۰۰۷ء۔

مسجد میں خواتین کی نماز اور منشائے شریعت

مسجد میں خواتین کی نماز اور منشائے شریعت

ماقبل میں جو تفصیلات پیش کی گئیں ہیں، ان کی حیثیت ایک اصولی بحث کی تھی، جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فقہ اسلامی؛ در حقیقت شریعت اسلام کے فہم سلیم ہی سے عبارت ہے جو علوم شرعیہ میں سب سے مشکل اور آخری درجہ ہے، حکیم الامتؒ کی تعبیر میں اسی کو فہم، فقہ، رائے، اجتہاد، استنباط اور شرحِ صدر وغیرہ عنوانات سے نصوص میں جابہ جا تعبیر کیا گیا ہے، مشہور محدث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس منصب کے حاملین فقہائے امت ہیں۔

اس کے بعد بظاہر ضرورت نہیں تھی کہ مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز کے مسئلے پر بحث کی جائے، بلکہ منصبِ تفقہ اور قرآن و سنت کی فہم سلیم کی حامل جماعت حضرات فقہائے کرام کا حوالہ دیدینا کافی تھا، تاہم مزید تشفی کے لیے چند اہم فوائد عرض کرتا ہوں جن سے انشاء اللہ یہ بات منقح ہو جائے گی کہ فقہائے کرام کا مستنبط کردہ شرعی حکم اور اُن کی تعبیر در حقیقت عین منشاء نبوی کے مطابق اور اس موضوع کی مجموعی احادیث کا صحیح مصداق ہے۔

مصادر پر ایک نظر

یہ مسئلہ کتب تفسیر، متون حدیث، شروح حدیث، کتب ادلۃ الاحکام، کتب فقہ، کتب فتاوی، کتب اصول فقہ، کتب اصول شریعت اور کتب تراجم میں مذکور ہے، حافظ عماد الدین عمر بن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''تفسیر ابن کثیر'' میں قرآن کریم کی

سورہ نور کی آیت: ﴿رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيۡعٌ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ﴾ کے تحت اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، متون حدیث میں صحاح ستہ کے ساتھ دوسری مشہور کتابوں میں بھی روایتیں کثرت سے مذکور ہیں جن کی تفصیلات ان کی شروح و حواشی میں بیان کی گئی ہیں، کتب اصول فقہ اور اصول شریعت میں سد الذریعہ کی مثال میں اس مسئلے کو پیش کیا گیا ہے، جب کہ کتب تراجم میں سیرتِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سیرتِ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سیرت ام حمید ساعدیؓ، وغیرہ کے تحت یہ مسئلہ مذکور ہے اور ادلۃ الاحکام کی کتابیں تو درحقیقت اس مسئلہ کا بنیادی مصدر ہیں، جن میں مفصل و محقق کلام کیا گیا ہے۔

اگر غور و تدبر کے ساتھ ان حوالجات کی مراجعت کی جائے تو بلا شبہ یہی نتیجہ سامنے آئے گا کہ اس مسئلے سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر پندرہویں صدی ہجری تک؛ کبار محدثین، فقہاء اور ماضی قریب کے اکابر مفتیان کرام اور محقق علماء کی تصریحات تعبیرات کے معمولی فرق کے ساتھ تقریبا یکساں ہیں، اگر یہاں ساری کتابوں کی عبارتیں پیش کی جائیں تو ظاہر ہے کہ یہ طوالت کا باعث ہوگا، اس لیے چند اہم اور بنیادی مصادر کی نشاندہی کرتے ہوئے ضروری عبارتیں پیش کی جاتی ہے۔

مسجد میں خواتین کی نماز کے مسئلے کا سب سے اہم ماخذ

ہمارے محدود علم و مطالعہ کے مطابق اس موضوع کو سب سے زیادہ بسط و تفصیل سے بیان کرنے والی شخصیت حافظ مغرب ابن عبدالبر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثینؒ نے بھی بنیادی ماخذ علامہ ابن عبد البر کی التمہید ہی کو بنایا ہے، حافظ مغربؒ نے اپنی عظیم الشان تصنیف «التمهيد لما في الموطأ من المعاني

والأسانید» میں اس موضوع کی احادیث نبویہ کا استیعاب کرتے ہوئے لکھا ہے:

«قد أوردنا من الآثار المسندة في هذا الباب ما فيه كفاية وغنى فمن تدبرها وفهمها وقف على فقه هذا الباب».

آخر میں موضوع کا خلاصہ کرتے ہوئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ ابن المبارک مروزیؒ (۱۱۸ھ/۱۸۱ھ) کے قول کو ترجیح دی ہے اور تائید کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت کو پیش کیا ہے، پھر خواتین کے گھر میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور بعد کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے غور وفکر کی دعوت دی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«قال أبو عمر أقوال الفقهاء في هذا الباب متقاربة المعنى وخيرها قول ابن المبارك لأنه غير مخالف لشيء منها ويشهد له قول عائشة لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدثه النساء لمنعهن المسجد،ومع أحوال الناس اليوم ومع فضل صلاة المرأة في بيتها فتدبر ذلك.[1]

''ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: مسجد میں خواتین کی باجماعت میں نماز کے مسئلے میں فقہائے کرام کے اقوال معنی اور حقیقت کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں اور مسئلے کی سب سے بہتر تعبیر حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے؛ اس لیے کہ وہ سب سے جامع قول ہے، کسی بھی قول اور حدیث سے اس کا تعارض نہیں ہے، اس قول کی تائید حضر عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس

(۱) التمهيد:۲۳/ ٤٠٣، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية.

فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ اگر آپ ﷺ اپنے زمانے میں وہ احوال دیکھتے جو آپ کے بعد خواتین نے پیدا کردیے ہیں، تو آپ اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد جانے سے (صراحتا) منع فرمادیتے، نیز عورت کے لیے اس کے گھر میں نماز کی زیادہ فضیلت ہے؛ غور وفکر میں ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا چاہیے"۔

حافظ اندلسیؒ کی قوتِ فہم پر حافظ ذہبیؒ کی شہادت

حافظ اندلسیؒ جیسے متبحر اور وسیع النظر فقیہ و محدث کا احادیث کے استیعاب کے بعد غور وفکر کی دعوت دینا ایک معنی رکھتا ہے؛ اس لیے کہ مشہور محدث و ناقد حافظ ذہبیؒ کی شہادت ہے کہ قوت فہم اور معانی حدیث پر عبور؛ حافظ اندلسیؒ کا ایک وصف امتیازی تھا۔ [1]

اب وہ تصریحات ملاحظہ فرمائیں جن سے حافظ مغرب کی فقیہانہ رائے مبرہن ہوتی چلی جاتی ہے اور مسئلے کی تصویر بالکل صاف ہوجاتی ہے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک چشم کشا اقتباس

دوسری صدی ہجری کے عظیم محدث وفقیہ حضرت امام شافعی (۲۰۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحب زادیوں اور دوسری گھریلو خواتین رضی اللہ عنہن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اِن میں سے کسی کا نماز باجماعت کے لیے کسی مسجد میں آنا ثابت نہیں ہے:

«كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم نساء من

---

(۱) مقدمة التمهيد، ص:۲۷، للشيخ عبد الفتاح أبو غده.

أهل بيته وبناته وأزواجه ومولياته وخدمه وخدم أهل بيته، فما علمت منهن امرأة خرجت إلى شهود جمعة، والجمعة واجبة على الرجال بأكثر من وجوب الجماعة في الصلوات غيرها، ولا إلى جماعة غيرها في ليل أو نهار، ولا إلى مسجد قباء، فقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يأتيه راكبا وماشيا، ولا إلى غيره من المساجد، وما أشك أنهن كن على الخير بمكانهن من رسول الله صلى الله عليه وسلم أحرص، وبه أعلم من غيرهن، وأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن ليدع أن يأمرهن بما يجب عليهن وعليه فيهن، وما لهن فيه من الخير وإن لم يجب عليهن، كما أمرهن بالصدقات والسنن، وأمر أزواجه بالحجاب، وماعلمت أحدا من سلف المسلمين أمر أحدا من نسائه بإتيان جمعة، ولا جماعة من ليل ولا نهار، ولو كان لهن في ذلك فضل أمروهن به، وأذنوا لهن إليه، بل قد روي والله أعلم عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: صلاة المرأة في بيتها خير من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في حجرتها خير من صلاتها في المسجد، أو المساجد».

”حضور ﷺ کے ساتھ آپ کے گھر کی بہت سی خواتین رہتی تھیں، مثلاً: ازواج مطہرات، صاحب زادیاں باندیاں اور آپ ﷺ اور اہل بیت کے گھر آنے جانے والی خواتین؛ لیکن ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ منقول

نہیں ہے کہ وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد آتی ہوں، جب کہ جمعہ کی نماز دوسری نمازوں کی بنسبت مردوں پر وجوب میں بڑھی ہوئی ہے، اسی طرح مذکورہ خواتین میں سے کسی کا بھی جمعہ کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کی جماعت میں شرکت کرنا بھی ثابت نہیں ہے، نہ رات میں اور نہ دن میں اور نہ مسجد قباء میں، جب کہ حضور ﷺ کبھی سوار ہوکر اور کبھی پیدل مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے اور نہ ہی یہ خواتین مسجد قباء کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں جاتی تھیں، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے خیر کی زیادہ حریص اور خیر کو دوسری عورتوں کی بنسبت زیادہ جاننے والی تھیں، دوسری طرف خود حضور ﷺ ان کو اُن کے واجبات اور خیر کے امور سے ضرور آگاہ فرمانے کا اہتمام فرماتے تھے، جیسا کہ حضور ﷺ نے ان کو صدقات اور سنن کا اور ازواج مطہرات کو پردہ کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے اور میرے علم کے مطابق سلف میں سے کسی نے بھی اپنی بیوی کو جمعہ کی نماز اور رات یا دن کی کسی نماز کی جماعت میں شرکت کا حکم نہیں دیا، اگر عورتوں کے لیے مسجد کی جماعت میں شرکت کرنے میں کسی طرح کی کوئی فضیلت ہوتی تو اسلاف امت ان کو ضرور اس کا حکم دیتے اور عورتوں کو اس کی اجازت دیتے؛ بلکہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کا اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے صحن میں نماز پڑھنے سے اور صحن میں نماز پڑھنا افضل ہے بنسبت مسجد میں نماز پڑھنے سے"۔ [1]

(۱) اختلاف الحديث مع كتاب الأم:٨/ ٦٢٥، باب خروج النساء إلى المساجد، دار المعرفة،بيروت-

یہ شہادت اُس عظیم محدث وفقیہؒ کی ہے جن کے دل میں حدیث نبوی کے احترام کا اندازہ اِس یادگار مقولہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

«أي أرض تقلني إذا رويت عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثا وقلت بغيره» (۱)

”اگر میں حضور ﷺ سے کوئی حدیث روایت کروں اور پھر اس کے خلاف رائے قائم کروں تو کونسی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی“؟

حضرت امام شافعیؒ کا یہ حوالہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس سے دور نبوی میں خواتین کے مسجد میں آنے کی تصویر تقریبا صاف ہوجاتی ہے اور اُس بات کی تائید ہوجاتی ہے جو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بخاری شریف کی مشہور حدیث: «إذا استأذنتكم نساؤكم بالليل إلى المسجد، فأذنوا لهن» کے تحت دوران درس فرمائی تھیکہ اس حدیث سے پتہ چلتا کہ دور نبوی میں بھی خواتین نماز کے لیے عمومی طور پر مسجد نہیں آیا کرتی تھیں۔ (۲)

---

(۱) معنى قول الإمام المطلبي: إذا صح الحديث فهومذهبي للسبكي، ص:۷۳-

(۲) حاشيه لامع الدراري:۳/ ٤۳۷، ناشر:المكتبةالإمدادية، مكةالمكرمة، المملكة العربية السعودية ۱۳۹۵هـ. شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ لکھتے ہیں:
«ذكر مولانا الشيخ حسين على في تقريره فهم منه أنه لم يكن المتعارف خروجهن، وفهم أيضا أنه لايجوز لهن الخروج إلا بالإذن انتهىٰ.
مولانا حسین علی سے مراد حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد حضرت مولانا حسین علی پنجابی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنھوں نے حضرت گنگوہیؒ کے درس بخاری کے اہم فوائد و نکات جمع فرمائے تھے، شیخ لکھتے ہیں:
ومنها ما جمعه مولانا حسين على البنجابي، وهو مطبوع باسم تقرير الكنكوهي، وهو مختصر جدا التقطه الجامع من فرائد كلام الشيخ القطب الكنكوهي، حين حضر فى درسه سنة ثلاث بعد ألف وثلاث مائة.
=

ایک اہم اور ضروری فائدہ

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے:

حدثنا عبد الله بن سعيد قال:حدثنا حفص بن غياث قال:حدثنا حجاج بن أرطاة، عن عبد الرحمن بن عابس، عن ابن عباس، أن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يخرج بناته ونساءه في العيدين. (۱)

اسی طرح مسند ابویعلی (رقم:۴۴۹۳) میں ایک روایت اس طرح مروی ہے:

حدثنا إبراهيم، حدثنا حماد، عن عبيد الله بن عمر، عن عمرة بنت عبد الرحمن الأنصارية، أن عائشة قالت:لو رأى رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من النساء ما نرى لمنعهن من المساجد كما منعت بنو إسرائيل نساءها، لقد رأيتنا نصلي مع رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الفجر في مروطنا، وننصرف وما يعرف بعضنا وجوه بعض.

ان دونوں روایتوں کے ظاہر سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر اشکال پیش آسکتا ہے،اس لیے کہ ان روایات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات بھی مسجد کی جماعت میں شریک ہوتی تھیں، حالانکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ازواج

=

مقدمه لامع الدراري:١/ ٤٧٧، ناشر:المكتبةالإمدادية، مكةالمكرمة، المملكة العربية السعودية ١٣٩٥هـ.

(۱) ابن ماجه، رقم:١٣١٩.

مطہرات کی مسجد کی جماعت میں شرکت ثابت نہیں ہے، اس لیے ان دونوں روایتوں پر کلام ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت

ابن ماجہ کی روایت کو تو علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اصل روایت صحیحین میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (جس میں ازواج مطہرات کا عیدین میں شریک ہونے کا ذکر نہیں ہے) بوصیریؒ کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

«هذا إسناد ضعيف لتدليس حجاج بن أرطاة رواه ابن عدي في الكامل من طريق سلمة بن ميسرة عن حفص بن غياث فذكره ورواه البيهقي من طريق ابن عدي وله شاهد من حديث جابر وغيره ورواه الإمام أحمد في مسنده وأصله في الصحيحين من حديث أم عطية». [1]

صحیحین کی روایت یہ ہے:

عن أم عطية، قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها، حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. [2]

نیز یہ روایت ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

(۱) مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه: ۱/ ۱۵۵، دار العربية، بيروت.

(۲) بخاری، رقم: ۹۷۱.

عن أم عطية، قالت:أمرنا أن نخرج الحيض يوم العيدين، وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين، ودعوتهم ويعتزل الحيض عن مصلاهن، قالت امرأة:يا رسول الله إحدانا ليس لها جلباب؟ قال:لتلبسها صاحبتها من جلبابها،وقال عبد الله بن رجاء:حدثنا عمران، حدثنا محمد بن سيرين، حدثتنا أم عطية، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم بهذا. [1]

نیزابن ماجہ کی مذکورہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی اسی طریق سے مذکور ہے جس پر کلام کرتے ہوئے مشہور محدث وناقد شیخ محمد عوامہ دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

رواه ابن ماجه (١٣٠٩) والبيهقي ٣:٣٠٧،كلاهما من طريق حفص ابن غياث، به-وحجاج:هو ابن أرطاة، وتقدم (٥٦) أنه ضعيف الحديث لكثرة خطئه، ولتدليسه، وقد عنعن- ورواه أحمد ١:٣٥٤ من طريق حجاج، به الا أن الحديث معروف من روايةسفيان الثوري، عن ابن عباس، انظر (٥٧٠٥) أقول:رواية سفيان الثوري هذه:حدثنا وكيع، عن عبد الرحمن بن عابس، عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بهم يوم العيد عند دار كثير بن الصلت، فصلى قبل الخطبة، ولم يذكر أذانا ولا إقامة، قال الشيخ:وأما ما رواه أحمد ٣:٣٦٣ من حديث حجاج، عن

(۱) بخاری رقم:۳۵۱، صحیح مسلم، رقم:۱.

عطاء، عن جابر بن عبد الله بلفظ: كان يخرج في العيدين ويخرج أهله فربما كان هذا من أوهام حجاج وأخطائه الكثيرة، لا من قبيل تعدد الطرق. [1]

الحاصل! بنات طاہرات اور ازواج مطہرات کی عیدین میں شرکت پر ابن ماجہ کی مذکورہ روایت کو مستدل بنانا صحیح نہیں ہے۔

مسند ابویعلی کی روایت

جہاں تک مسند ابویعلی (رقم: ۴۴۹۳) کی روایت کی بات ہے تو اس پر بھی وہی کلام ہے جو ابن ماجہ کی مذکورہ روایت پر کیا گیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہی روایت صحیحین میں خود عمرۃ بنت عبدالرحمن کے طریق سے اس طرح مروی ہے:

حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، ح وحدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أخبرنا مالك، عن يحيى بن سعيد، عن عمرة بنت عبد الرحمن، عن عائشة، قالت: إن كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي الصبح، فينصرف النساء متلفعات بمروطهن، ما يعرفن من الغلس. [2]

نیز صحیحین میں دوسرے طرق سے بھی یہ روایت مذکور ہے:

حدثنا يحيى بن بكير، قال: أخبرنا الليث، عن عقيل،

---

(۱) حاشية مصنف ابن ابی شيبة: ۳/ ۲۳۲، ۲۳۱، كتاب الصلاة، باب: ٤٣٠، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جده، سعوديه، الطبعة الأولى ١٤٣١هـ-

(۲) بخاری، رقم: ۸۶۷، صحیح مسلم، رقم: ۲۳۲۔

عن ابن شهاب، قال:أخبرني عروة بن الزبير، أن عائشة أخبرته، قالت:كن نساء المؤمنات يشهدن مع رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صلاة الفجر متلفعات بمروطهن، ثم ينقلبن إلى بيوتهن حين يقضين الصلاة، لا يعرفهن أحد من الغلس.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کی روایت کے کسی طریق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسجد کی جماعت میں شریک ہونے کا ذکر نہیں ہے، اس لیے مسند ابو یعلی کی روایت؛ روایت بالمعنیٰ کے قبیل سے قرار دی جائے گی؛ اس لیے کہ معاشرے کے حالات بیان کرتے وقت متکلّم کا صیغہ استعمال کرنے کا عرف ہر زبان میں رائج ہے، یعنی آدمی کسی واقعہ میں آدمی خود موجود نہ ہو، اس کے باجود واقعہ کے ذکر کے وقت متکلّم کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے، لہذا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بات بالکل درست ہے کہ ازواج مطہرات اور بنات طاہرات اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی گھر کی دوسری خواتین کا مسجد میں جاکر کسی نماز میں شریک ہونا ثابت نہیں ہے، چنانچہ امام ابن حزمؒ نے المحلی میں بھی اس کی تصریح کی ہے:

وأما النساء فلا خلاف في أن شهودهن الجماعة ليس فرضا وقد صح في الآثار كون نساء النبي – صلى الله عليه وسلم – في حجرهن لا يخرجن إلى المسجد. (۲)

اور جماعت ثانیہ سے متعلق مشہور حدیث: عن أبى بكرة أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – أقبل من نواحى المدينة يريد الصلاة

(۱) بخاری، رقم:۵۷۸، صحیح مسلم:۲۳۰۔
(۲) المحلی بالآثار:۱۱۲/۳، دار الفکر، بیروت۔

فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم، رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد، رقم:۲۱۷۷) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی گھرانے کی خواتین مسجد کی جماعت میں شریک نہیں ہوتی تھیں؛بلکہ آپ کی منشا اور ترغیب کے مطابق اپنے حجروں میں نماز اداء کیا کرتی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اقتباس

محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«واعلم أن هٰهنا سِرًّا وهو أَني لم أَرَ في الشريعة تَرغيبًا لهن في حضورهن الجماعة، بل عند أبي داود ما يخالِفُه، فعن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعًا قال: صلاةُ المرأةِ في بيتِها أَفْضَلُ مِن صلاتها في حُجْرَتِها، وصلاتُها في مَخْدَعِها أَفْضَلُ مِن صلاتِها في بيتها». اه. وهذا يدلُّ على أنَّ مَرْضى الشَّرْع أن لا يخْرُجن إلى المساجدِ. وفي حديث آخر: إنْ كان لا بُدَّ لَهُنَّ مِن الخروجِ فليخرجن تَفِلاتٍ بدونِ زينةٍ، فلا يتَعَطَّرْنَ، فإن فَعَلْن فهنَّ كذا وكذا». يعني زوانٍ. فهذه إباحةٌ لا عن رضاءٍ منه».

”خواتین کی مسجد میں نماز کے تعلق سے ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ پوری شریعت میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے کے بارے میں کوئی ترغیب ثابت نہیں ہے؛بلکہ ابو داو شریف کی حدیث سے اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اوراپنی کوٹھری میں

نماز پڑھنا کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ خواتین نماز کے لیے مسجد نہ جائیں، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر وہ جانا ہی چاہیں تو بغیر کسی زیب وزینت کے نکلیں، خوشبو وغیرہ نہ لگائیں، اگر وہ ایسا کریں گی تو وہ زانیہ سمجھی جائیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسی اباحت ہے جس کے پشت پر رضامندی شامل نہیں ہے"۔ (۱)

علامہ کشمیریؒ کا ایک دوسرا اقتباس

علامہ کشمیریؒ کا مذکورہ استنباط درس بخاری کا ہے، اب درس ترمذی میں بیان کردہ ایک دوسرا نکتہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

قال بدر عالم:

«وهذا هو السِّرُ في حديث أبي هريرة رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مرفوعًا عند الترمذي: «خيرُ صفوفِ الرجال أولُها، وشرُّها آخِرُها وخيرُ صفوف النساء آخِرُها، وشَرُّها أوَّلُها» اهـ. فإن المرءَ يتعجبُ منه في أول نظرةٍ، لكون الصلاة خير موضوع، فلا يكون في صفوفها شَرٌ. ولكن إنما جاء الشَّرُ فيها من جهةِ قُرْب النساء من الرجال. فكُلُّ صف كان أقربَ منهن. أو كان أقرب منه كان شرًا، لا بمعنى أن فيه شرًا الآن، بل بمعنى أنه على شفا جُرُف هارٍ. فالشرُّ في حواليه ليس بينه وبين حاجِب، فهذا نحوُ تَلميح للنساء أنْ لا يحْضُرْنَ الجماعاتِ من عرض الكلام، لا بصريح القول، فإن

(۱) فیض الباری: ۴۱۲/۲۔

الحضور إلى الجماعاتِ خير لا ينبغي لصاحب النبوةِ أن ينهى عنه في زمانه، ولكنه يفْهم من أطراف الكلام أن رضاءه في عدم الحضور وهو الشاكلةُ في سماعه غناءَ الجاريتين، فإنَّه لم يكن يستمع لغنائهما وكان متغشِّيا بالثوب، ومع ذلك لم ينْه عنه أيضًا، وسنقرره في موضعه إن شاء الله تعالى. وبالجملة هذا الحديثُ أيضًا يبنى على ترغيبهن بعدم حضورِهن الجماعاتِ، هكذا فهمت من كلام الشيخ رحمه الله تعالى في درس الترمذي، والله تعالى أعلم بالصواب ». (۱)

اِس اقتباس کا آخری جملہ «فهذه إباحةٌ لا عن رضاءٍ منه» قابلِ توجہ ہے، غالباً اسی کو حضرت مولانا ریاست علی بجنوری قدس سرہ نے ''اباحت مرجوحہ'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ (۲)

---

(۱) فیض الباری مع حاشیۃ البدر الساری:۲/۴۱۲، ۴۱۳، کتاب الاذان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۲۰۰۵ء۔

فائدہ: یہاں افسوس کے ساتھ یہ بات لکھنی پڑ رہی ہے کہ خیر صفوف النساء آخِرُها، وشَرُّها أوَّلُها حدیث سے علامہ کشمیریؒ جیسی متبحر شخصیت تو یہ نکتہ اٹھاری رہی ہے کہ اس حدیث کے سیاق وسباق سے ایک خاموش پیغام یہ نکلتا ہے کہ خواتین مسجد کی جماعت میں نہ آیا کریں، جبکہ دوسری طرف اسی حدیث کے صیغہ جمع سے بعض اہل علم دور نبوی میں مسجد کی جماعت میں خواتین کی بڑی تعداد کی شرکت ثابت کر رہے ہیں اور اس کو دور نبوی کے تعامل سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ ان کے نزدیک چودہ سو سالہ تعامل کی مرکزی کڑی یہی حدیث ہے۔ فیاللعجب!

(۲) پیش لفظ بر رسالہ: خواتین اسلام کی بہترین مسجد، ص:۵، مرکز دعوت وتحقیق، دیوبند، اشاعت اول ۱۴۱۸ھ۔

یہ نکتہ اس شخصیت کا ہے جس کی حدیث فہمی کے بارے میں یہاں صرف مشہور محقق و ناقد شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شہادت نقل کر دینا کافی ہے کہ احادیثِ نبویہ کے تحت نادر ابحاث کے اٹھانے میں شارح ہدایہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کے بعد علامہ کشمیریؒ جیسی کوئی شخصیت وجود میں نہیں آئی اور پانچ چھ صدیوں کا وقفہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے اھ (نقد و نظر: ۱/۲۱۱ بحوالہ مقدمہ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام) جو حضرات مدح و ثنا کے سلسلے میں شیخ کوثریؒ کے مزاج و مذاق سے واقف ہیں انہیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ ان کے جملوں کو کسی تصنع یا مبالغے پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ کشمیریؒ کے نکتہ کی تشریح قاری محمد طیب صاحبؒ کی حکیمانہ تعبیر میں

علامہ کشمیریؒ کے بیان کردہ نکتہ کی توضیح حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کی حکیمانہ تعبیر میں ملاحظہ فرمائیں:

> ''پس مساجد سے رک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے؛ لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے، نہ ایماء، نہ ترغیب ہے، نہ تشویق؛ ہاں ایک اباحت اور اجازتِ محضہ ہے اور وہ بھی عدم ممانعت کے عنوان سے اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محول، پھر عورتوں کے لیے مکان صلاۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں، یعنی: پہلے کوٹھری، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر اور باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا، پھر ان بیسیوں قیود و شرائط کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی یہ عورت جب مسجد پہنچ گئی تو خدا کے دربار

میں بھی جب کہ قلوب تھوڑی دیر کے لیے مادی ظلمتوں سے ہٹ کر روحانیت
میں مست ہوجاتے ہیں اور بظاہر شہوات کی طرف طبیعتوں کا کوئی التفات نہیں
رہتا؛ عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی کہ جس صف میں
چاہے کھڑی ہوجائے؛ بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے نہیں؛ بلکہ نو
عمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں؛ عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان
میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی"۔ [۱]

حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری قدس سرہ

اس نکتے کی مزید تشریح دار العلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی اور روایت و درایت
کے جامع حضرت مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری قدس سرہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

«اعلم أنه يستفاد من الأحاديث أن النساء كن
يحضرن الجماعات في المكتوبات والعيدين مع قوله صلَّى الله
عليه وسلم «لاتمنعوا إماء الله عن المساجد» ومع ذلك قد
ذهب الفقهاء إلى التضييق حتي أن المتأخرين منهم منعوهن
عن الخروج والحضور مطلقا ويؤيده مارواه أبوداؤد عن
عائشة قالت: لوادرك رسول الله صلَّى الله عليه وسلم ما
احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني إسرائيل
الحديث، وذكره البخاري تعليقا في صحيحه وهو عن ابن
مسعود رضي الله عنه مرفوع أيضًا وقصة عمر مع امرأته

(۱) شرعی پردہ، ص: ۴۳، ۴۷، ۴۳، ۴۴، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

حيث كانت تذهب إلى المسجد وهي في البخاري، وكراهة خروجهن عن عبد الله بن المبارك عند الترمذي ص٨٠ وحديث أبي هريرة مرفوعاً عند الترمذي ص ٣٠:خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها.

وبهذا كله يظهر أن في نظر الشارع خروجهن ليس بمرغوب ومستحسن ومرضي ولم يرغبهن في حضورهن كما رغب الرجال فيه بل شدد عليهم وأوعدهم في عدم الحضور كما في الأحاديث وقد قال صلَّى الله عليه وسلم: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها- رواه أبوداود عن ابن مسعود رضي الله عنه، وهذا يدل بأعلى نداء على أن رضاء الشارع في أن لايخرجن إلى المساجد ولذا لم يوجب عليهن الجمعة وإن كان لابد من الخروج فليخرجن تفلات بدون زينة وإلا يكن كذا وكذا كما في الأحاديث، فهذه و-أمثالها أمور وتلميحات من الشارع أوجبت على الفقهاء أن يضيقوا عليهن في الخروج وأن يحكموا بالمنع وهذا ليس بخلاف الحديث، وحضورهن في العيدين لم يكن للصلاة كما زعموا بل للتكثير ولشركة المسلمين في الدعاء وإلا فما الفائدة في اخراج الحيض هذا

وللبسط موضع آخر.

قلت:قد ذهب أهل حديث زماننا إلى هذا الحديث يخرجون نساءهم إلى العيد مع لباس الزينة وشددوا في ذلك وعوام الناس يذهبون إلى رؤيتهن فإنا لله وإنا إليه راجعون وتنشأ بهذا فتن كثيرة كما لايخفي على أصحاب بصيرة وأهل الحديث الظاهرية لايعبأون بذلك فالحذر الحذر عن ذلك وقال الرافعي في شرحه الكبير ذكر الصيدلاني أن الرخصة في خروجهن وردت في ذلك الوقت وأما اليوم فيكره لأن الناس قد تغيروا وروي هذا المعنى عن عائشة انتهىٰ قال الحافظ في التلخيص كأنه يشير إلى حديث عائشة لوأدرك النبي صلَّى الله عليه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد وهو متفق عليه انتهىٰ.

ومن طعن في ذلك من أبناء الزمان على الأحناف فمن قلة التدبر في مذهبهم وقد أوضح المسئلة شيخي (المفتي كفاية الله الدهلوي) رئيس جمعية علماء الهند في رسالته كف المؤمنات عن حضور الجماعات-. [1]

حضرت شاہ جہاں پوری قدس سرہ کے کلام کا حاصل بھی یہی ہے کہ خواتین کا مسجد کی جماعت میں شامل ہونا شریعت اسلام کے منشا کے خلاف ہے، حضرت نے اپنے زمانے

(۱) حاشیه كتاب الحجة على أهل المدينة:۱/ ۳۰٤ تا ۳۰۷، دار عالم الكتب، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠٣هـ

کے اُن لوگوں پر اظہار افسوس بھی کیا ہے جو اپنی خواتین کو عمدہ لباس میں عید کی نماز پڑھنے پر زور دیتے ہیں اور پھر بے پردگی کا مظاہرہ سامنے آتا ہے۔

چند روایات سے تائید

حضرت امام شافعی، ابن عبد البر، علامہ کشمیری، قاری محمد طیب صاحب دیوبندی، مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری قدس اللہ اسرارہم نے شریعت اسلام کے منشاء و مزاج پر جو کلام فرمایا ہے، بلا شبہ وہ مبنی بر حق ہے، جس کی تائید ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن میں حضور ﷺ نے صحابیات کو گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کو زیادہ فضیلت کا عمل قرار دیا ہے، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

> عن عبد الله بن سويد الأنصاري، عن عمته، امرأة أبي حميد الساعدي أنها جاءت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إني أحب الصلاة معك، فقال: «قد علمت أنك تحبين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك، وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي»، فأمرت، فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عز وجل.[1]

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ، رقم:۱۶۸۹، صحیح ابن حبان، رقم:۲۲۱۷۔

عن أم سلمة، زوج النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: خير مساجد النساء قعر بيوتهن. (۱)

عن عبد الله، عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان، وأقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها. (۲)

عن عبد الله، عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله في أشد مكان في بيتها ظلمة. (۳)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) اپنی مایۂ ناز تصنیف شرح مشکل الآثار میں لکھتے ہیں:

«نظرنا بعد ذلك في أحكام النساء بعد رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في إتيان المساجد فوجدنا يونس قد حدثنا قال: حدثنا سفيان، عن يحيى بن سعيد، عن عمرة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: " لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء بعده، لمنعهن المساجد، كما منعت نساء بني إسرائيل " قال أبو جعفر: فكان قول عائشة

(۱) صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۱۶۸۳۔

(۲) صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۱۶۸۵، صحیح ابن حبان، رقم: ۵۵۹۹۔

(۳) صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۱۶۹۱۔

في هذا، وهي المأمونة على ما قالت مع علمها وفقهها ويقظتها، ما قد دل على النساء إنما كان لهن إتيان المساجد في حياة رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ واسعا الحال كن عليها، وقد خرجن عنها بعده إلى ضدها، فانتفى بذلك ما كان واسعا لهن من إتيانهن إياه على ما كن يأتينه في حياة رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وإذا كن كذلك في حياة عائشة كن بعد موتها من ذلك أبعد».[1]

امام طحاویؒ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ جملہ:

«وهي المأمونة على ما قالت مع علمها وفقهها ويقظتها»[2]

قابل توجہ ہے!

پھر آخر میں امام طحاویؒ نے خواتین کی دینی حالت کے تعلق سے جو لکھا ہے کہ:

«وإذا كن كذلك في حياة عائشة كن بعد موتها من ذلك أبعد»

اس کی تفصیل شارح بخاری علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

---

(۱) شرح مشكل الآثار:۱۲/ ۱٤۲، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الموطن الذي تعتكف فيه النساء، الرسالةالعالمية، دمشق، الطبعة الثالثة:۱٤۳۱هـ، تحقيق:شعيب الارنؤوط۔

(۲) سیرت عائشہ کے مصنف سید سلیمان ندویؒ نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تفقہ کی مثال کے تحت اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ (سیرت عائشہ، ص:۲۰٦، دار البلاغ، لاہور۔

قال العینی:

«قلت: لو شاهدت عائشة -- ما أحدث نساء هذا الزمان من أنواع البدع والمنكرات، لكانت أشد إنكارًا، ولا سيما نساء مصْر، فإنهن أحدثن من البدع ما لا يوصفُ، منها الشاشاتُ على رءوسهن كأسنمة البُخت، ومنها: القمصان بأكمام واسعة مفرطة، وربما طرق سمْعي من أهل مصر أن واحدة منهن، كانت تفصل قميصا من قريب مائة ذراع من الحرير الملون، ومنها: مشيهن في الأسواق في ثياب فاخرة، وأنواع طيب فائحة، مكشوفات الوجوه، مائلات متبخترات، ومنها: جريهن بين الرجال وأكمامهن سابلة من الجانبين، ومنها: ركوبهن على مراكب في نيل مصر وخلجانها مختلطات بالرجال، وبعضهن يغنينَ بأصوات عالية مُطرِبة، ومنها: غلبتهن على الرجال، وقهرهن إياهم، وحكمهن عليهم، ومنها: نساء يبعن المنكرات بالأجهار، ويخالطن بالرجال فيها، ومنها: صنف قوادات يفسدن الرجال والنساء، ومنها: صنف بَغايا قاعدات مترصدات للفساد، ومنها: صنف سوارقُ من الدور والحمامات، ومنها: صنف سَواحرُ يسحرنَ وينفثن في العُقَدِ، ومنها: بياعات في الأسواق يتعايطن بالرجال، ومنها: صنف نوائحُ ينحن على المؤتى بالأجْرة،

ومنها: صنف دقاقات ولطامات، يدققن صدورهن، ويلطمن خُدودهن وراء الموتى بالأجرة، ومنها: صنفٌ مغنيات يغنين بأنواع الملاهي بالأجرة للرجال والنساء، ومنها: صنف خطابات، يخطُبن للرجال نِساءَ لها أزواج، توقع بينهن وبين أزواجهن فتنة حتى يطلقن منهم، وغير ذلك من الأصناف الكثيرة الخارجة عن قواعد الشريعة. فانظر إلى ما قالت عائشة من قولها: لو أدرك رسولُ الله ما أحدث النساء، وليس بين هذا القول وبين وفاة النبي – عليه السلام – إلا مدة يسيرة لطيفة؛ على أنهن ما أحدثن عُشَر معشار ما أحدثت نساء هذا الزمان، ولو كانت هذه النساء في ذلك الزمان لمُنعِن الحياةَ فضلاً عن أن يمنعن المسجد ونحوه ».[1]

''علامہ عینیؒ اپنے زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ بدعات و منکرات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس زمانہ کی وہ بدعات و منکرات اور سر کے بالوں اور لباسوں میں وہ فیشن جو عورتوں نے ایجاد کی ہے، خاص کر مصر کی عورتوں نے، اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار کرتیں منجملہ ان منکرات کے یہ ہیں، وہ عورتیں لباس فاخرہ پہن کر اور خوشبو لگا کر مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہوئی، مردوں کے شانہ بہ شانہ (بسا اوقات) کھلے منہ بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں آخر میں فرماتے ہیں: حضرت عائشہ

(۱) شرح سنن ابی داود: ۳/۵۴، ۵۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۰ھ۔

صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے، جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی آزادی اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی و منکرات کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی، اندازہ لگائیے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کے عورتوں کی آزادی و فیشن پرستی دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں؟"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ علامہ عینیؒ کا مذکورہ اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«قلت:وإذ كان ذاك في زمن العلامة العيني المتوفي في سنة خمس وخمسين وثمان مائة فماذا تري في زماننا هذا المملوء بالشرور والفساد؟ وسيأتي في البخاري في كتاب الفتن باب «لايأتي زمان إلا الذي بعده شر منه» وحكاه أنس عن النبي صلَّى الله عليه وسلم١٢ »[1]

شیخ کے تبصرہ کا خلاصہ حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

"علامہ عینیؒ نویں صدی ہجری کی عورتوں کا یہ حال بیان فرمارہے ہیں، آج تو چودھویں صدی ہے، اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، عریانی و بے احتیاطی کی انتہا ہوچکی ہے، برقع ہی رخصت ہورہا ہے اور اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن ایبل لباس آچکے ہیں، اور پھر کھلے سر، کھلے منہ بازاروں میں گھومتی ہیں، ایسے پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عید گاہ لانے کی کوشش کی جارہی

(۱) لامع الدراری: ۴۳۱/۳-۴۳۷، المکتبۃ الامدادیۃ، مکۃ المکرمۃ۔

ہے اور حضور اقدس ﷺ کے بابرکت زمانہ سے استدلال کیا جارہا ہے، عورتیں احتیاط کریں گی، نیچی نگاہ رکھیں گی، خوشبو پاؤڈر سے احتراز کریں گی اور فساق وفجار کی نگاہیں نیچی رہیں گی، اس کی گارنٹی کون دے سکتا ہے؟"[۱]

حدیث عائشہ کی تشریح ابن رجب حنبلیؒ کی زبانی

علامہ ابن رجب حنبلیؒ حدیث عائشہ کے تحت لکھتے ہیں:

تشير عائشةُ – رضي الله عنها – إلى أن النبي – صلى الله عليه وسلم – كان يرخص في بعض ما يرخص فيه حيث لم يكن في زمنه فسادٌ، ثم يطرأ الفساد ويحدث بعده، فلو أدرك ما حدث بعده لما استمر على الرخصة، بل نهى عنه؛ فإنه إنما يأمرُ بالصلاح، وينهى عن الفساد. وشبيهٌ بهذا: ما كان في عهد النبي – صلى الله عليه وسلم – وعهد أبي بكرٍ وعمر من خروج الإماء إلى الأسواق بغير خمارٍ حتى كان عمر يضرب الأمة إذا رآها منتقبةً أو مستترةً، وذلك لغلبة السلامة في ذلك الزمان، ثم زال ذلك وظهر الفساد وانتشر، فلا يرخص حينئذٍ فيما كانوا يرخصون فيه». [۲]

---

(۱) فتاوی رحیمیہ:۶/۱۶۲، دار الاشاعت، کراچی۔

(۲) فتح الباري لابن رجب:۸/ ۳۷ تا ۵۷، مكتبة الغرباء الاثرية، مدينه منوره، الطبعة الأولى ۱۹۹٦ء.

شارح بخاری علامہ کرمانیؒ

قال الكرماني:

و (ما أحدث) أي من قلة المبالاة بما يجب من الحياء ونحوه. فإن قلت من أين علمت عائشة هذه الملازمة والحكم بالمنع وعدمه ليس إلا الله تعالى. قلت مما شاهدت من القواعد الدينية المقتضية لحسم مواد الفساد. قوله (أو منعن) بهمزة الاستفهام وواو العطف وفعل المجهول والضمير عائد إلى نساء بني إسرائيل. التيمي:فيه دليل أنه لا ينبغي للنساء أن يخرجن إلى المساجد إذا حدث في الناس الفساد ». [1]

حدیث لاتمنعوا اماء اللہ کی تشریح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی زبانی

مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

«ومنها ما إذا كان خوف فتنة كامرأة أصابت بخورا، ولا اختلاف بين قوله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها " وبين ما حكم به جمهور

(۱) شرح الكرماني على البخاري:٥/ ٢٠٩،٢٠٨، دار إحياء التراث العربي، بيروت الطبعة الأولى ١٣٥٦هـ

الصحابة من منعهن إذ المنهي الغيرة التي تنبعث من الأنفة دون خوف الفتنة، والجائز ما فيه خوف الفتنة، وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الغيرة غيرتان " الحديث، وحديث عائشة " إن النساء أحدثن " الحديث». [1]

حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ

مشہور محدث وفقیہ، تلمیذ نانوتوی حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی قدس سرہ (متوفی ۱۳۱۵ھ) نے حاشیہ ابوداؤد میں شاہ صاحب کی یہ تطبیق مزید وضاحت سے ذکر فرمائی ہے، ملاحظہ ہو:

«وفي حجة الله البالغة: ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم: " إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها " وبين ما حكم به جمهور الصحابة من منعهن إذ المنهي الغيرة التي تنبعث من الأنفة دون خوف الفتنة، والجائز ما فيه خوف الفتنة، وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الغيرة غيرتان " الحديث، يعني: احداهما ما يحب الله و ثانيهما ما يبغض الله، فالاولي: الغيرة في الريبة، أي: موضع التهمة، والثانية: الغيرة في غير ريبة، وحديث عائشة " إن النساء أحدثن " الحديث». [2]

(۱) حجة الله البالغة: ۲/ ٤١، دار الجيل، بيروت۔

(۲) حاشیہ سنن ابي داود: ۱/۲۶۳، ادارہ فیصل، دیوبند۔

”دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ: ان عذروں میں سے جن کی وجہ سے نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونا جائز ہے فتنہ کا خوف ہے، جیسے کوئی عورت خوشبو لگائے اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان «إذا استأذنت الخ» (یعنی جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے) اور جمہور صحابہ کے فیصلہ (ان حضرات کا یہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کو اب مسجد میں آنے سے ممانعت کی جائے) میں تضاد نہیں ہے؛ اس لئے کہ حضور ﷺ نے جس روکنے سے منع فرمایا ہے؛ یہ وہ رکاوٹ ہے جو اس غیرت کی وجہ سے ہو جس کا سرچشمہ کبر و نخوت ہے نہ کہ فتنہ و ابتلائے معصیت کا اندیشہ اور صحابہ کرام نے جو عورتوں کو مسجد سے روکا تو وہ اس جائز غیرت کی وجہ سے تھا جو خوف فتنہ کی بناء پر تھی، چنانچہ حضور ﷺ کا یہی فرمان ہے کہ الغیرۃ غیرتان تا آخر حدیث، یعنی: غیرت کی دو قسم ہے، ایک اللہ تعالی کو محبوب ہے اور دوسری اللہ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، پسندیدہ وہ غیرت ہے جو موقع تہمت اور خوف فتنہ و معصیت کی وجہ سے ہو اور ناپسندیدہ وہ غیرت ہے جو کبر و نخوت کی بناء پر ہو اور یہی مصداق ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت «إن النساء أحدثن الخ کا»۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب کے توجیہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت جو خیر و صلاح سے معمور اور فتنہ و فساد سے مامون تھا، اس نور افشاں، ہدایت افزا اور پاکیزہ ماحول میں مردوں کا عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکنا کسی جذبہ خیر کی بناء پر نہ ہوتا؛ بلکہ اپنی شیخی و بے جا احساس برتری جتانے کے لیے ہوتا؛ اس لیے حضور ﷺ نے مردوں کی

اصلاح باطن کے پیش نظر منع فرمادیا کہ وہ اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں"۔ (۱)

یہ توجیہ اس شخصیت کی ہے کہ حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ کے الفاظ میں:

"اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہ وتشریح اور تطبیق عقل ونقل میں جس کی نظیر نہیں ملتی ہے"(۲)

حضرت مولانا عبد العلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبد العلی لکھنویؒ رسائل الارکان میں لکھتے ہیں:

«ليس عليهن حضور الجماعات؛ بل يصلين في بيوتهن، لأن في خروجهن إلى الجماعات فتنة عظيمة، هذا ما افتي به المتأخرون، لما رأوا من فساد أهل الزمان، وعليه الفتوي......فانظر إلى أن الزمان الشريف مع كونه أبعد من احتمال الفتنة لأن الصحابة كانوا أولياء الله حتي نهاهم عن منعهن من الخروج إلى المساجد، كيف اسقط فيه الجماعة عنهن، و جعل البيت خيرالهن للصلاة، و جعل صلاتهن في البيت أفضل من الصلاة بالجماعة، فما ظنك بهذا الزمان الذي هو زمان الفتنة، فهذا الزمان أحري لسقوط الجماعة عنهن، فهذا الزمان أحري بالمنع عن الخروج إلى

(۱) خواتین اسلام کی بہترین مسجد، ص:۱۹، مرکز دعوت وتحقیق، دیوبند، اشاعت:۱۴۱۸ھ۔

(۲) الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص:۳۴۱۔

الجماعات؛ لأن الجماعة غير لازمة عليهن بالنص، والتحرز عن الفتنة واجب للعمومات، لانعقاد الاجماع على حرمة الباب الحرام - وأما الرخصة في عدم النهي عن الخروج مع كون البيت لهن أفضل، فقد سقطت لانتهاء العلة من عدم احتمال الفتنة، كسقوط سهم المؤلفة، ومعنى قول أم المؤمنين الذي مر أن رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لو رأي في زمانه الشريف ما أحدثت في هذا الزمان لما رخص لهن في الخروج، وهذا يشير لو كانت الفتنة في ذلك الزمان، لم يتحقق عليه الرخصة في ذلك الزمان، فلا يرخص البتة.

وانما أطنبنا الكلام لما كان يزعم البعض أنهم أبطلوا النص بالتعليل، وقالوا:ان الحاكم هو الله تعالى، وكان عالما بما أحدثته النساء، فلا يظهر بقول أم المؤمنين وجه، وليس الأمر كما زعموا كما بينا، وكون الحاكم هو الله تعالى مسلم، وعلمه بما أحدثته النساء كان متحققا أيضا؛ لكنا نقول:ان حكم الله على لسان رسوله لعدم المنع عن خروجهن للمساجد، كان موقتا إلى عدم احتمال الفتنة، فتنتفي بانتفاءه، وهكذا كان الحكم من الله تعالى، ومقصود أم المؤمنين لوكان أحدثت النساء في الزمان الشريف، ما أحدثته الآن، لما حكم رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالخروج البتة لانتفاء ما أنا ط الله تعالى الحكم به؛ بل منعهن بأمر

الله، وعبر عن وقوع الأحداث برؤيته، كما عبر االله تعالى عن عدم وقوع الجهاد لعدم العلم في قوله تعالى:ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم، و نسبة المنع إلى رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لما أنه خليفة الله، والله هو المانع على لسان رسوله، كما في قوله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لأمرتهم بالسواك لكل وضوء، هكذا ينبغي أن يفهم المقام،ولا تزل، فانه مزلة».

''نماز کی جماعت میں آنا خواتین کے ذمہ نہیں ہے، ان کو اپنے گھروں پر نماز پڑھنی چاہیے، اس لیے کہ جماعت میں شریک ہونا بڑے فتنہ کا سبب ہے، متاخرین نے زمانے کے بگاڑ کو دیکھتے ہوئے یہی فتوی دیا ہے اور اب اسی پر فتوی ہے۔ سوچنا چاہیے! صحابہ کرام کا زمانہ فتنوں سے کتنا دور تھا، وہ سب متقی اور پرہیزگار تھے، اسی وجہ سے آپ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نے ان کو اس سے منع کر دیا تھا کہ وہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکیں، اس کے باوجود عورتوں سے جماعت کی ذمہ داری ساقط کر دی گئی تھی اور ان کے لیے گھر کو نماز پڑھنے کی بہترین جگہ قرار دیا گیا تھا اور گھر میں تنہا نماز پڑھنے کو جماعت کی نماز سے بہتر بتایا گیا تھا، تو اب فتنے کے اس زمانے کا حکم آپ خود سوچ لیجیے، اس زمانے میں بدرجہ اولی عورتوں سے جماعت کے ساقط ہونے کا حکم ہوگا اور اس زمانے میں عورتوں کو جماعت کی شرکت سے روکنا زیادہ موزوں ہوگا؛ اس لیے کہ ان پر جماعت کی شرکت از روئے نصوص لازم تو ہے نہیں، دوسری طرف فتنوں سے بچنا دیگر عام نصوص کے بموجب ضروری ہے؛ اس لیے کہ جو چیز حرام کے ارتکاب کا سبب بن سکتی ہے، اس کا ارتکاب بھی حرام ہے اور عورتوں کے لیے گھر کی نماز افضل

ہونے کے باوجود جو رخصت دی گئی تھی کہ وہ جماعت میں شامل ہو سکتی ہیں، اب یہ رخصت باقی نہیں رہی؛ اس لیے کہ رخصت کی علت (یعنی فتنے کے اندیشہ کا نہ ہونا) ختم ہو گئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کا یہی مطلب ہے کہ اگر آپ ﷺ اپنے زمانے میں وہ احوال دیکھتے جو آپ کے بعد پیش آئے، تو آپ اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد جانے کی رخصت نہ دیتے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر حضور ﷺ کے زمانے میں فتنہ کا اندیشہ ہوتا، تو آپ کے زمانے میں رخصت نہ ہوتی، لہذ اب جب کہ فتنے کا قوی اندیشہ ہے، کسی صورت میں عام رخصت نہیں دی جا سکتی۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فقہائے کرام نے نص کو قیاس کی بنیاد پر باطل کر دیا، وہ کہتے ہے کہ اصل حاکم تو صرف اللہ تعالی کی ذات ہے اور اللہ کو خوب معلوم تھا کہ آگے چل کر کیا حالات پیش آئیں گے (اس کے باوجود حضور ﷺ کی زبانی اجازت دلوائی گئی) لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں اآئی؛ لیکن بات ایسی نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، ہمیں تسلیم ہے کہ اللہ تعالی ہی حاکم ہیں اور عورتوں کے بعد کے حالات کا اُس کو خوب علم تھا؛ لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ عورتوں کو مسجد سے نہ روکنے کے بارے میں حضور ﷺ کی زبانی اللہ تعالی کا حکم ایک وقتی حکم تھا جب تک فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، لہذا جب فتنے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا، تو یہ حکم ساقط ہو جائے گا، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات کا مطلب یہی ہے کہ اگر عورتوں کے بعد کے حالات حضور ﷺ کے زمانے میں پیش آجاتے، تو آپ اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد جانے کی کبھی رخصت نہ دیتے؛ بلکہ فتنوں کی طرف سے اطمینان جس پر اللہ

تعالی نے رخصت کو معلق کیا تھا اس کے زائل ہوجانے کی وجہ سے عورتوں کو
نکلنے سے روکتے۔اھ"[1]

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا فقیہانہ کلام اور حرف آخر

اب آخر میں وہ قیمتی اقتباس ملاحظہ فرمائیں جو بندے کے ناقص علم کے مطابق اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے، جس کو مصادر مذکورہ کی طویل ومفصل ابحاث کا خلاصہ سمجھنا چاہیے، قبل اس کے کہ وہ اقتباس نقل کروں، صاحب اقتباس کی درایت اور حدیث فہمی پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کی شخصیت ایک نکتہ ورعالم دین کی تھی وہ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ اور متکلّم تھے، بڑے ذہین، طباع اور علوم معقول ومنقول میں حاذق تھے، انہیں افہام وتفہیم کا بھی اچھا سلیقہ تھا، زور بیان اور حسن ترتیب کا بھی ملکہ تھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی زبانی اللہ تعالی نے حکمت دین کے بارے میں حضرت نانوتوی قدس سرہ کو جو دقیق اور غامض علوم عطا فرمائے تھے، اس کی شرح وتوضیح کی نمایاں خدمت علامہ عثمانی نے انجام دی۔

علامہ عثمانیؒ کی حدیث فہمی اور اصول حدیث پر عبور کا ذکر کرنے کے بعد شیخ کوثریؒ نے ان الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے:

«الجهبذ الحجة الجامع لأشتات العلم، محقق العصر،
المفسر المحدث الفقيه البارع النقاد الغواص.

---

(۱) رسائل الارکان لبحر العلوم عبد العلی، ص:۱۰۰، بیان منع النساء عن حضور الجماعۃ، ط: مکتبۃ دارالعلوم دیوبند۔

وكم رد في شرحه هذا على صنوف أهل الزيغ وله نزاهة بالغة في ردوده على المخالفين من أهل الفقه والحديث، وكم أثار من ثنايا الأحاديث المشروحة فوائد شاردة وحقائق عالية لا ينتبه إليها إلا أفذاذ الرجال وأرباب القلوب-». (۱)

علامہ عثمانیؒ کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں، ان کی شہادت کے لیے اب یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”نبی کریم ﷺ نے خواتین کے بارے میں اپنی امت کو کیا قوانین اور کیا ہدایات دی ہیں، اُن ہدایات کی حقیقی روح کیا ہے کہ علاوہ قانونی روک تھام کے خود حضور ﷺ کا دلی منشاء کیا ظاہر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تطویل کی حاجت نہیں، فقہیات سے علیٰحدہ ہوکر بھی اگر کوئی شخص اس باب میں جناب نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا بیک نظر مطالعہ کرے گا وہ بہ سہولت حضور ﷺ کی مرضی مبارک پر مطلع ہو سکے گا۔ بلاشبہ ذخیرہ حدیث میں آج تک میری نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گزری جس میں مستورات کو بالتصریح وبالکلیہ گھر کی چہار دیواری سے باہر نکلنے سے مطلقاً روک دیا گیا ہو؛ بلکہ اس کے برعکس صرف صحیح بخاری کے ورق گردانی سے ہی متعدّد احادیث ایسی دستیاب ہو سکتی ہیں جن میں مستورات کا خاص خاص احوال میں مخصوص ضروریات کے لیے مکان سے باہر نکلنا ثابت ہوتا ہے؛ لیکن اس نکلنے پر جو قیود و شروط شارع علیہ السلام کی جانب سے قانونی طور پر عائد کی گئی تھیں اس کا اندازہ اِن احادیث سے ہوتا ہے:

(۱) مقالات الکوثری، ص:۵۷، دار السلام، مصر، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۳۶ھ۔

«إذا استأذنكم نساؤكم بالليل إلى المسجد، فأذنوا لهن».
(صحیح بخاری) (ترجمہ):جب تمہاری عورتیں تم سے رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو اجازت دے دیا کرو۔

مسلم کی ایک روایت میں «لَا تَمْنَعُوْا» آیا ہے یعنی منع مت کرو۔ معلوم ہوا کہ مساجد وغیرہ میں جانے کا حکم نہیں دیا گیا اور خود جانا چاہیں تو آزاد نہیں چھوڑا گیا؛ بلکہ اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ ان کا مساجد میں نماز کے لیے جانا بھی مرد کے اذن واجازت سے ہونا چاہیے، اب مرد کو اختیار ہے وہ جیسی مصلحت سمجھے اجازت دے یا نہ دے، اگر وہ اجازت دینے ہی پر مجبور ہوتا تو استئذان کی قید عبث تھی؛ البتہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے مقدس عہد میں عورتوں کے قیم (شوہر) کو مشورہ دے رہے ہیں کہ ہر وقت نہیں صرف شب کے وقت (جو نسبۃً تستّر کا وقت ہوتا ہے) اگر مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو خواہ مخواہ محض اوہام اور وساوس کی بنا پر ان کو روکنے کی ضرورت نہیں، ہاں ! عورت کو حکم دیا گیا: فَلَاتَطِيبُ تِلْكَ اللَّيلَة. (صحیح مسلم) (ترجمہ) یعنی اس رات میں خوشبو کا استعمال نہ کرے۔ اور أيما امرأة أصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (ترجمہ) جو عورت خوشبو لگائے تو ہمارے ساتھ عشاء میں شریک نہ ہو صرف اسی قدر؛ بلکہ سنن ابی داؤد اور صحیح ابنِ خزیمہ میں ہے: ولیخرجن تفلات، تفلۃ کے معنٰی مجمع البحار میں لکھتے ہیں: التي لها رائحة كريهة.

خلاصہ یہ کہ جب مسجد میں جائے تو میلی کچیلی ہوکر ایسی ہیئت سے نکلے جس سے اجانب کو ان کی طرف ملتفت ہونے کی قطعًا تحریک وترغیب نہ ہو۔ ابنِ

عبدالبرؒ نے تمہید میں اپنی اسناد سے مرفوعًاروایت کیا ہے کہ:انھوا نسائکم عن لبس الزينة والتبختر في المساجد. (ترجمہ) اپنی عورتوں کو زینت کالباس پہن کرناز وانداز سے مسجد میں جانے سے منع کردو۔

قرآنِ کریم میں ہے:﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾، ﴿يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ اپنا سنگار ظاہر نہ کریں، اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيعْلَمَ مَايُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ چال ڈھال ایسی نہ ہو جو چھپی ہوئی زینت پر دوسروں کو مطلع کرے۔ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيوْبِهِنَّ﴾، ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ یعنی لباس سے سینہ وغیرہ کا اُبھار ظاہر نہ ہو، چادریں اِس طرح لٹکی ہوں جو بدن کی ہیئت کے لیے ساتر ہوسکیں ۔ ﴿فَلَاتَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعُ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِه مَرَضٌ﴾ کسی سے بات کرنے کی نوبت آئے تو ایسی نرمی ونزاکت سے نہ کریں جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو۔ ﴿وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی آبرو وعصمت کی پوری طرح حفاظت کریں۔

حدیث میں ہے:«زِنا العين النظر وزنا اللسان النطق». (ترجمہ) آنکھ کا زنا نظر ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے۔ جب ان تمام قوانین کی پابندی کے ساتھ عورت مسجد میں پہنچ گئی تو ارشاد ہے کہ: «خير صفوف الرجال أوّلها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أوّلها» یعنی جو عورت جماعت میں امام سے اور مَردوں کی صفوف سے جس قدر بعید ہوگی اسی قدر بہتر ہے۔ پھر نماز میں عورتوں کو حکم تھا کہ جب تک مرد سجدہ سے اُٹھ کر بیٹھ نہ جائیں وہ سجدہ سے سر نہ اُٹھائیں ۔ اگر

امام کو نماز میں سہو لاحق ہو تو آگاہ کرنے کے لیے مرد سبحان اللہ کہے، عورت کو مجمع میں اس قدر بولنے کی بھی اجازت نہیں «التسبيح للرجال والتصفيق للنساء» نمازِ فجر کے بعد نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اُٹھتے تھے جب تک مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جاتی تھیں۔

ان سب انتظامات کے باوجود معجم طبرانی اور مسند امام احمد میں باسناد حسن وارد ہے کہ:

عن عبد الله بن سويد الأنصاري، عن عمته، امرأة أبي حميد الساعدي أنها جاءت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم، إني أحب الصلاة معك، فقال: «قد علمت أنك تحبين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك، وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي، فأمرت، فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عز وجل.

(ترجمہ): ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: میں نے سمجھ لیا؛ مگر تُو اپنے مکان کے کسی کمرہ

کے اندرونی حصہ میں نماز پڑھے یہ اس سے بہتر ہے کہ کمرہ میں پڑھے اور کمرہ میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ صحن میں پڑھے اور مکان کے صحن میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں جاکر ادا کرے اور محلہ کی مسجد میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے۔

خیال کیجیے کہ نماز اہم العبادات ہے، مسجد نبوی ﷺ کی نماز عام مساجد کی نمازوں پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے، سرورِ عالم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں، عموماً مقتدی وہ لوگ ہیں جن سے بڑھ کر بجز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی پاک باز، مطہر ومزکی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی، اسلامی سوسائٹی ایسے رجال ونساء پر مشتمل ہے جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہ ﷺ کے لیے غض بصر وتحفظ عصمت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام واصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد وعورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے، فضا ایسی ہے کہ مسلمان ظاہر وباطن میں خدا سے اور غیر مسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں، ایسی پاک فضاء اور ایسے مامون ومقدس ماحول میں نبی اکرم ﷺ نے خواتینِ اسلام کو پیرس ولندن میں نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر وتماشے کے لیے نہیں؛ بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں خود اپنی اقتداء میں اتقیاءِ اُمّت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقیّد کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یوں کہو کہ ان کے جوہر شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال ونساء کو اتنی شدت سے روکا، آخر ان تمام

احکام وہدایات کی علت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشوونما کا موقعہ نہ ملے۔

پس اگر حکمائے امت نے یہ دیکھ کر عہدِ نبوت سے بعید ہونے کے ساتھ ساتھ رجال ونساء کی اخلاقی حالت بھی نسبتاً گرتی جاتی ہے اور ان حدود وقیود کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی جو مستورات کے مکان سے باہر نکلنے کے متعلق عائد کی گئی تھیں، یہ فتویٰ دے دیا کہ اب خواتینِ امت کو یہ ہی تاکید کی جائے کہ وہ اپنے اخلاق کے تحفظ کی خاطر بجز مجبور کن حالات کے بے حجاب ہو کر قطعاً گھر سے باہر نہ نکلیں تو کیا یہ شارع علیہ السلام کی مرضی کے خلاف ایک تشریع جدید ہوگی؟ اگر احکامِ شرعیہ کا اپنی علل پر دائر ہونا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا معاشی ومعادی مصالح پر مشتمل ہونا ضروری ہے تو بلاشبہ علمائے مجتہدین اس کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے کہ علتوں کے طرد وعکس اور مصالح کے انضباط سے تغافل نہ برتیں۔

بے شک حضور ﷺ نے صاف لفظوں میں یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں کو کسی حالت میں بھی گھر سے مت نکلنے دو؛ لیکن اس نکلنے پر جو قیود وشروط عائد کی ہیں اور ان سب کے بعد بھی بار بار آپ ﷺ نے جس طرح اپنی مرضیٔ مبارک کا اظہار فرمایا ہے ان کا سرسری مطالعہ ہی ہمارے دل میں یہ یقین پیدا کر سکتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ اُس جماعت کے حامی ہرگز نہیں ہوسکتے جو مستورات کو مکان سے باہر نکلنے کی ترغیب دے رہی ہے۔ حضور ﷺ کے ایک ایک لفظ اور ہر ہر فقرہ سے یہ ہی مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مستورات کو بہت سی قیود کی رعایت کے باوجود گو زبانِ مبارک سے تصریحاً روکنا نہیں چاہتے؛ مگر یہ ضرور

چاہتے ہیں کہ خود مستورات آپ ﷺ کی مرضی مبارک پر مطلع ہوکر باہر نکلنے سے رک جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے منشاء کو بلاکم و کاست سمجھا، ان کی بیوی عاتکہ بنتِ زید رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ مسجد میں جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سخت ناگوار تھا، آپؓ نے ان کو گاہ بہ گاہ اس کراہت پر مطلع بھی کردیا؛ مگر اس خدا کی بندی کو یہی اصرار رہا کہ جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاف الفاظ میں مجھ کو منع نہیں کریں گے میں باز نہیں آؤں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احساس اس مسئلہ میں بہت زیادہ قوی اور صحیح تھا اور بالخصوص نسوانی مسائل میں ان سے بڑھ کر اسرارِ شریعت کا رازداں اور کون ہوسکتا ہے، انھوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صاف صاف اعلان فرمادیا کہ: «لو أن رسول الله صلّى الله عليه وسلم رأىٰ ما أحدث النساء بعده لمنعهن كما منعت نساء بنی إسرائيل» یعنی اگر آج حضور ﷺ عورتوں کی حالت کو ملاحظہ فرماتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح ان کو باہر نکلنے سے صاف طور پر منع فرمادیتے۔

ایک منٹ کے لیے بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شریعتِ محمدیہ کو معاذاللہ نامکمل یا قابلِ ترمیم تصور کرتی ہوں؛ بلکہ اس کے برعکس وہ ہم کو متنبہ فرماتی ہیں کہ شریعتِ محمدیہ اس قدر کامل اور دائمی شریعت ہے اور حضور ﷺ کے ارشادات ایسے جامع، عمیق اور ابدی ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ زمانہ کے انقلابات کوئی رنگ بھی اختیار کرلیں ایک صاحبِ بصیرت پھر بھی انھیں ارشادات کی روشنی میں یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ اگر آج حضور ﷺ ہم میں جلوہ افروز ہوتے تو ان حالات کے سلسلہ میں کیا کیا

احکام صادر فرماتے یقیناً آپ ﷺ کی تعلیمات تنصیصاً یا تعلیلاً قیامت تک پیش آنے والے حوادث وواقعات پر حاوی ہیں۔

پردہ کے مسئلہ میں بھی جو قیود آپ ﷺ نے خواتینِ اسلام کی آبرو اور شریفانہ اخلاق کی حفاظت کی غرض سے لگائیں اور جس جس عنوان سے اپنی مرضی اور منشاء کا اظہار فرمایا وہ ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ کی ابدی اور اٹل تفسیر ہے، جس سے علماءِ ربانیین کو بہت واضح طور پر سبق دیا گیا ہے کہ جب مستورات ان شروط وقیود کی پابندی نہ کریں اور مسلمان مرد؛ عورتوں کو آزادی دلانے کے جنون یا ہوئی پرست اقوام کی حرص میں حضور ﷺ کے منشاءِ مبارک کو پسِ پشت ڈال دیں تو نبی ﷺ کے وارثوں کا اس وقت کیا مسلک ہونا چاہیے؟ کیا نوعِ انسانی یا اس کی کسی خاص صنف کو آزادی دلانے کی خواہش تمہارے دل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زائد موجود ہے یا تمہاری سوسائٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوسائٹی سے بہتر ہے؟ اھ۔"(۱)

یہ تحریر بلا شبہ علامہ عثمانیؒ کی درایت اور حدیث فہمی کا ایک شاہکار ہے اور نصوص کی لم اور منشاء شارع جیسے دقیق امر کی تعبیر میں حضرت نانوتوی قدس سرہ کی جانشینی پر ایک شہادت ہے، اس کے بعد کسی حوالے کی ضرورت ہے، نہ گنجائش!

---

(۱) حجاب شرعی، ص:۴ تا ۱۳، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنی بے نظیر تصنیف "شرعی پردے" میں علامہ عثمانیؒ کے مذکورہ اقتباس کے اہم ترین حصہ کو بصیرت افروز قرار دیتے ہوئے نقل فرمایا ہے۔ (شرعی پردہ، ص:۳۵،۳۶، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

دور نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے نظام کی ایک جھلک

قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی تصنیف

شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند کے سابق نگراں حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت'' میں قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کے زریں قلم نے سینکڑوں کتابوں سے دانہ دانہ جمع کر کے خرمن تیار کیا ہے، یہ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی اِنما بعثت معلما کی ایسی جھلکیوں پر مشتمل ہے جس سے نگاہوں میں نوراور اور دلوں میں سرور پیدا ہوتا ہے، بلا شبہ یہ کتاب قاضی صاحب کے قلم کا زریں شاہکار ہے، کتاب کی ایک ایک سطر اہل علم اور ارباب نظر کے لیے سرمہ چشم بصیرت ہے''۔ (۱)

ایسی شاہکار اور محققانہ کتاب سے دور نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے نظام کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

> ''صحابیات کے مناسبِ حال ان کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا، وہ درس گاہِ نبویؐ میں مردوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوتی تھیں؛ مگر مختلف طریقوں

(۱) عرض ناشر خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ادارہ اسلامیات، کراچی، اشاعت اول ۱۴۲۱ھ۔

سے تعلیم حاصل کرتی تھیں، ان کے خصوصی اجتماع میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاکر تعلیم وتلقین اور وعظ فرمایا کرتے تھے، امّہات المؤمنین خصوصًا حضرت عائشہ اور حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہما کے رسول اللہ ﷺ سے مسائل معلوم کرتی تھیں، مجلسِ نبویؐ میں حاضرباش صحابہ اپنی بیویوں اور عورتوں کو احادیث سناتے تھے، سن رسیدہ اور رشتہ کی عورتیں خود رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست دینی باتیں معلوم کرتی تھیں، مختلف طریقوں سے دینی تعلیم سے اپنا حصہ لیتی تھیں اور اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا وفد بھیج کر تقاضا کرتی تھیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يوْمًا لَقِيهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ مَامِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاثْنَينِ؟ فَقَالَ وَاثْنَينِ.

”رسول اللہ ﷺ سے عورتوں نے کہا کہ آپ کی تعلیم وتربیت کے بارے میں مرد ہم پر غالب ہیں؛ اِس لیے آپ اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لیے مقرر کردیں، آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا جس میں ان کو وعظ اور احکام سناتے، آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہوگئے ہوں وہ اپنی ماں کے لیے نارِ جہنم سے پَردہ ہوں گے، اِس پر ایک عورت نے کہا کہ اور جس عورت کے ۲؍بچے فوت ہوں؟ آپ ﷺ

نے فرمایا کہ ۲/بچے بھی۔

حضرت اسماء بنتِ یزید انصاریہ اشہلیہ رضی اللہ عنہا نہایت عقل مند دیندار صحابیہ ہیں، ان کو صحابیات نے اپنا نمائندہ بناکر خدمتِ نبویؐ میں بھیجا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ میں مسلمانوں کی بیویوں کی طرف سے نمائندہ وفرستادہ بن کر حاضر ہوئی ہوں، وہ کہتی ہیں اور میں بھی کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مَردوں اور عورتوں کی طرف مبعوث کیا ہے، ہم عورتیں آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی اتباع کی، ہم پردہ نشین گھروں میں رہنے والی، مَردوں کی خواہش کا مرجع، ان کی اولاد کی پرورش کرنے والی ہیں اور مرد نماز باجماعت، جنازہ اور جہاد میں شرکت کی وجہ سے فضیلت اور ثواب کے مستحق ہوتے ہیں، وہ جب جہاد میں نکلتے ہیں تو ہم ان کے مال کی حفاظت اور ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں، یارسول اللہ !کیا ہم اس حالت میں اجروثواب میں مَردوں کی شریک ہوسکتی ہیں؟

رسول اللہ ﷺ اسماء بنتِ یزید کی یہ تقریر دل پذیر سُن کر صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پوچھا کہ اسماء بنتِ یزید سے پہلے تم لوگوں نے دین کے بارے میں اس سے بہتر سوال کسی عورت سے سنا تھا؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ !اِس سے پہلے ایسا سوال ہم نے نہیں سنا تھا،اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زینب بنتِ یزید رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: اسماء جاؤ! اور ان عورتوں کو بتادو کہ:

إنّ حسن تبعل إحداكنّ لزوجها وطلبها لمرضاته وأتباعها لموافقته يعدل كل ما ذكرت للرّجال.

"تم میں سے کسی کا اپنے شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک، اُس کی مرضی کی جستجو اور اس کے مزاج کے مطابق اتباع ان تمام باتوں کے برابر ہے جن کا ذکر تم نے مَردوں کے بارے میں کیا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ باتیں سُن کر اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا خوش خوش تہلیل وتکبیر کرتی ہوئی واپس گئیں اور ان عورتوں کو رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنادیا۔

رسول اللہ ﷺ مختلف اوقات میں وعظ وتلقین کے ذریعہ عورتوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے اور ان کو وعظ سنا کر صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ہر عورت جھومکا اور انگوٹھی اُتار کر دینے لگی اور بلال رضی اللہ عنہ اُن کو اپنے دامن میں رکھنے لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مجلسِ درس رسمی طور پر منعقد نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ وہ حجرہ میں رہتی تھیں اور صحابہؓ وتابعینؒ فقہ وفتاویٰ کے بارے میں ان کے متعلقین کے ذریعہ سوالات کرتے تھے، عام طور سے یہ خدمت اُن کے بھتیجے، بھانجے، خادمہ اور دوسرے قریبی رشتہ دار انجام دیتے تھے۔ عائشہ بنتِ طلحہ کہتی ہیں کہ مَیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیرِ تعلیم وتربیت تھی، مختلف شہروں کے اہلِ علم ان کی خدمت میں استفادہ کے لیے آتے تھے، ان میں سے شیوخ اور سن رسیدہ لوگ مجھ کو حدیث وفقہ اور مسئلہ معلوم کرنے کے لیے باری باری سے ان کے پاس بھیجتے تھے اور نوعمر اہلِ علم میری دل جوئی کے لیے ہدیہ دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے اہلِ علم میرے

پاس خطوط لکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم حاصل کرتے تھے، مَیں ان سے کہتی تھی کہ خالہ! یہ فلاں کا خط ہے اور یہ ہدیہ ہے تو فرماتی تھیں کہ اے بٹیا (أَي بُنَيَّةُ)! تم اُس شخص کو میرا جواب پہونچادو اور اس کے ہدیہ کے عوض ہدیہ دے دو، اگر تمھارے پاس ہدیہ کی کوئی چیز نہیں ہے تو مَیں دے دوں، یہ کہہ کر مجھ کو ہدیہ دینے کے لیے کوئی چیز دیتی تھیں"۔ (۱)

قاضی صاحب کی تائید ابن رجب حنبلیؒ کے کلام سے

قاضی صاحب کی تائید میں ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

في الصحيحين من حديث أبِي سَعِيدٍ الخُدْرِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قالَ: قالَ النِّساءُ لِلنَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَلَبَنا عَلَيكَ الرِّجالُ، فاجْعَلْ لَنا يوْمًا مِن نَفْسِكَ. فَواعَدَهُنَّ يوْمًا لَقِيهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وأَمَرَهُنَّ، فَكانَ فِيما قالَ لَهُنَّ: ما مِنكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلاثَةً مِن ولَدِها، إلّا ﴿كانَ﴾ لَها حِجابًا مِنَ النّارِ. فَقالَتِ امْرَأَةٌ: واثْنَتَينِ؟ فَقالَ: واثْنَتَينِ

هذا يدل على أنّ مجالس النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ للفقه في الدين والتذكير ونحو ذلك لم يكن النساء يحضرنها مع الرجال، وإنما كن يشهدن الصلوات في مؤخر المساجد ليلًا ثم ينصرفن عاجلًا، وكن يشهدن العيدين مع المسلمين

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ص:۶۱ تا ۶۳، و ص:۱۶۴، ادارہ اسلامیات، کراچی، اشاعت اول ۱۴۲۱ھ۔

منفردات عن الرجال من ورائهم، ولهذا لما خطب النبي يوم العيد رأى أنه لم يسمع النساء، فلما فرغ جاء ومعه بلال إلى النساء، فوعظهن، وذكرهن وأمرهن بالصدقة، وأجلس الرجال حتى يفرغ من موعظة النساء

وأصلُ هذا أنّ اختلاط النساء بالرجال في المجالس بدعةٌ، كما قال الحسن البصري؛ فلذلك قال له النساءُ:يا رسول الله، غَلَبنا عليك الرجال.

وقد روي من حديث أبي هريرة أن النساء قلن:يا رسول الله، إنا لا نقدر عَلى أن نجالسك في مجلسك، قد غلبنا عليك الرجال! فواعدنا موعدًا نأتيك، قال:موعدكن بيت فلانة. فأتاهن فحدثهن

وقد أمره الله تعالى أن يبلِّغ ما أُنزل إلَيهِ للرجال والنساء، وأن يعلم الجميع كما قال له:﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ﴾ الآية.

وقال:﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَـٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَـٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ﴾ الآية.

فامتثل ما أمره الله تعالى، ووعدهن مجلسًا خالصًا لهن في بيت امرأة، ولعل تلك المرأة كانت من أزواجه أو

محارمه، والله أعلم بحقيقة ذلك.[۱]

یہ ہے عہد نبوی میں خواتین کے نظام تعلیم و تربیت کی ایک جھلک؛ جس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ عہد نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے مسجد کو عمومی طور پر قطعامرکز نہیں بنایا گیا تھا، لہذا موجودہ وقت میں مسجد میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا نظام قائم کرنے کو عہد نبوی کے نظام سے وابستہ کرنا سخت محل نظر ہے۔

دوسری صدی ہجری سے پندرہویں صدی تک سنین کی ترتیب پر اہم حوالجات

ذیل میں اس مسئلے سے متعلق دوسری صدی ہجری سے پندرہویں صدی ہجری تک کبار اہل علم کے اہم حوالجات کی ایک فہرست ذکر کی جارہی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے اپنے دور کے مرجع خلائق اس مسئلے میں کیا نقطہ نظر رہا ہے؟

- كتاب الآثار للإمام أبي حنيفة ١٥٠هـ مع حاشيته للعلامة أبي الوفا الأفغاني.
  ٥٤٧/١ تا ٥٥٠، باب خروج النساء في العيدين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية:١٤١٣هـ
- مسند الإمام الأعظم ١٥٠هـ (اختصارُ الحَصْكَفي من كتاب الحارثي، وترتيبُ الملا محمد عابد السندي مع حاشيته النفيسة: «تنسيق النظام»، للعلامة محمد حسن السنْبلِي.)

---

(۱) مجمع رسائل ابن رجب:٢/ ٣٨٨،٣٨٩، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ

ص:۲٤۳، رخصة الخروج للنساء، ۲٥٥ تا ۲٥٦، باب صلاة العيدين، مكتبةالبشري، كراچي، الطبعة الاولي:١٤٣١ھ)

- الموطأ للإمام مالك بن أنس المدني ١٧٩ھ
  ص:٢٧٦، ٢٧٧، مؤسسة زايد بن سلطان، أبوظبي
- كتاب الأصل للإمام محمد بن حسن الشيباني ١٨٩ھ
  ٣٨١/١ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي
- كتاب الحجة على أهل المدينة ١٨٩ھ
  ٣٠٤/١، دار عالم الكتب، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠٣ھ
- كتاب الأم للإمام أبي عبد الله محمد بن إدريس الشافعي ٢٠٤ھ
  ٢٧٥/١، دارالمعرفة، بيروت ١٤١٠ھ
- المصنف لعبد الرزاق بن همام الصنعاني ٢١١ھ
  ١٤٦/٣ تا١٥١، المجلس العلمي، الهند، الطبعة الثانية ١٤٠٣ھ
- المصنف لابن أبي شيبة الكوفي٢٣٥ھ
  ٢٣١/٤ تا ٢٣٤، رقم:٥٨٣٤ تا ٥٨٤٣، من رخص في خروج النساء إلى العيدين، و:٢٣٤/٤، ٢٣٥، رقم:٥٨٤٤ تا ٥٨٤٨، من كره خروج النساء إلى العيدين، و:١٩٨/٥ تا ٢٠٠، رقم:٧٦٩٠ تا ٧٦٩٥، من رخص للنساء في الخروج إلى المسجد، و:٢٠١/٥ تا ٢٠٤، رقم:٧٦٩٦ تا ٧٧٠٣، من كره ذلک، و:٢٠٤/٥ تا ٢٠٦، رقم:٧٧٠٤ تا٧٧١٢، من قال خير صفوف النساء آخرها، شركة دار القبلةللثقافة الإسلامية، جده، السعودية، الطبعة الأولى ١٤٣١ھ/٢٠١٠ء، تحقيق: شيخ محمد عوامه۔

- مسائل الإمام أحمد رواية ابنه عبد الله الشيباني ٢٤١ھ
ص: ١٣٠، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠١ھ
- سنن ابن ماجه للإمام أبي عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجه ٢٣٧ھ
٤٠٧/١، رقم:١٣٠٧، ١٣٠٨، ١٣٠٩، باب ماجاء إلى خروج النساء في العيدين، و:٣٤٠/١، رقم:١٠٠٠، ١٠٠١، باب صفوف النساء، اداره فيصل، ديوبند ٢٠٢١ء
- صحيح البخاري للإمام أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري ٢٥٦ھ
٥٢٣/١، رقم:٨٦٤، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، و:٥٢٥/١، رقم:٨٧٣، باب استئذان المرأة زوجها بالخروج إلى المسجد، و:٥٦٩/١، رقم:٩٨٤، باب خروج النساءالحيض إلى المصلي، اداره فيصل ديوبند (عكس بشري) ٢٠٢١ء
- صحيح مسلم للإمام أبي الحسين مسلم بن الحجاج القشيري ٢٦١ھ
٣٧٥/١، رقم:٤٤٢، و:٣٧٧/١، رقم:٤٤٥، باب خروج النساء إلى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة و أنها لا تخرج مطيبة، و:٥٩٤/١، رقم:٨٩٠، كتاب صلاة العيدين، اداره فيصل ديوبند ٢٠١٩ء
- سنن أبي داود للإمام سليمان بن أشعث السجستاني ٢٧٥ھ
٢٦٣/١، رقم:٥٦٥، ٥٦٦، ٥٦٧، ٥٦٨، ٥٦٩، ٥٧٠، باب ماجاء في

خروج النساء إلى المسجد، و:٤٠٦/١، رقم:١١٣٦، ١١٣٧، باب خروج النساء في العيد، اداره فيصل ديوبند ٢٠٢١ء

- جامع الترمذي للإمام أبي عيسى محمد بن عيسى الترمذي ٢٧٩ھ
٣٤١/١، رقم:٥٧٦، باب في خروج النساء إلى المساجد، و:٣٢٥/١، رقم:٥٤٨،٥٤٩، باب في خروج النساء في العيدين، اداره فيصل ديوبند ٢٠١٨ء
- سنن النسائي للإمام أبي عبد الرحمن محمد بن شعيب النسأي ٣٠٣ھ
٢١٢/١، رقم:٧٠٦، النهي عن منع النساء من اتيانهن المساجد، و:٤١٨/١، رقم:١٥٥٨، خروج العواتق وذوات الخدور في العيدين، و،رقم:١٥٥٩، اعتزال الحيض مصلي الناس، اداره فيصل ديوبند ٢٠٢١ء
- صحيح ابن خزيمة لأبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة النيسابوري ٣١١ھ
٣٦٠/٢، رقم:١٤٦٦، باب اباحة خروج النساء في العيدين وان كن ابكارا ذوات خدور حيضا كن أو أطهارا، و:٣٦١/٢، رقم:١٤٦٨، باب الامر باعتزال الحيض اذا شهدن العيد، والدليل على أنها انما أمرت بالخروج لمشاهدة الخير ودعوة المسلمين، و:٩/٣، رقم:١٦٧٨، باب النهي عن منع النساء الخروج إلى المساجد بالليل، و:٩٠/٣، رقم:١٦٧٩، باب الامر بخروج النساء إلى المساجدتفلات،

و:۹۱/۳، رقم:۱٦۸۰، باب الزجر عن شهود المراة المسجد متعطرة، المكتب الإسلامي، بيروت

- شرح مشكل الآثار للإمام أبي جعفر الطحاوي ۳۲۱ھ
(۱۳۸/۱۲ تا ۱٤۲،باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ في الموطن الذي تعتكف فيه النساء، الرسالة العالمية، دمشق، الطبعة الثالثة:۱٤۳۱ھ)
- أحكام القرآن للإمام أبي جعفر الطحاوي ۳۲۱ھ
(٤٦٤/۱ تا ٤۷۰، كتاب الاعتكاف، مركز البحوث الإسلامية، استنبول، تركي، الطبعة الاولي۱٤۱٦ھ)
- صحيح ابن حبان للإمام محمد بن حبان الدارمي ۳٥٤ھ
۵۷/۷، رقم:۲۸۱٦، ذكر الاباحة للابكار وذوات الخدور والحيض أن يشهدن أعيادالمسلمين، و:۵۸/۷، رقم:۲۸۱۷، ذكر البيان بان الحيض اذا شهدن أعياد المسين يجب أن يكون ناحية من المصلي، و:۵۸۷/۵ تا ۵۹۲، رقم:۲۲۰۹، ۲۲۱۰، ۲۲۱۱، ۲۲۱۲، ۲۲۱۳، ذكر الزجر عن منع النساء عن اتيان المساجد للصلاة، مؤسسة الرسالة، بيروت ۱٤۰۸ھ
- مختصر اختلاف العلماء للإمام الطحاوي اختصار الجصاص ۳۷۰ھ
۲۲۳/۱، دارالبشائر الإسلامية ۱٤۱٦ھ
- عيون المسائل للإمام أبي الليث السمرقندي الحنفي ۳۷۳ھ

۳۵/۱ مطبعة أسعد، بغداد ١٣٨٦هـ

- كتاب التجريد للإمام القدوري ٤٢٨هـ

٨٦١/٢ مسألة:٢٠٨ دارالسلام للطباعة والنشر لعبد القادر البكار ١٤٢٤هـ

- النتف في الفتاوي للإمام السعدي ٤٦١هـ

١/١٠١ دارالفرقان مؤسسة الرسالة،بيروت.

- التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد لابن عبد البر ٤٦٣هـ

٣٩٤/٢٣تا ٤٠٨، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية المغرب ١٣٨٧هـ

- الاستذكار (الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار و علماء الأقطار فيما تضمنه الموطأ لابن عبد البر ٤٦٣هـ

٤٦٥/٢ تا٤٧٠، دار الكتب العلمية، بيروت

- المنتقى شرح الموطأ لأبي الوليد سليمان بن خلف الباجي ٤٧٤هـ

٣٤٢/١، ٣٤٣، مطبعة السعادة، مصر ١٣٣٢هـ

- نهاية المطلب في دراية المذهب لإمام الحرمين ٤٧٨هـ

٦٢٠/٢، ٦٢١، دارالمنهاج ١٤٢٨هـ/٢٠٠٧ء

- المبسوط لشمس الأئمة للسرخسي٤٨٣هـ

٤١/٢، دارالمعرفة، بيروت ١٤١٤هـ/١٩٩٣ء

- المسالك في شرح الموطأ لابن العربي ٥٤٣هـ

٣٥٨/٣ تا ٣٦٢، دارالغرب الإسلامي ١٤٢٨هـ/٢٠٠٧ء

- بدائع الصنائع للعلامة الكاساني ٥٨٧هـ
١/١٥٧-٢٧٥-٢٧٦ دارالكتب العلمية بيروت ١٤٠٦هـ ١٩٨٦م
- الهداية للإمام برهان الدين المرغيناني ٥٩٣هـ
١/٥٨ دارإحياءالتراث العربي بيروت، لبنان
- المحيط البرهاني للإمام برهان الدين بن مازه البخاري ٦١٦هـ
٢/١٠١-١٠٣ دارالكتب العلمية، بيروت ١٤٢٤هـ ٢٠٠٤م
- المغني لابن قدامة ٥٢٠هـ
٢/٢٧٩، مكتبة القاهرة، مصر ـ
- الميسر شرح مصابيح السنة للإمام فضل الله التوربشتي الحنفي ٦٦١هـ
١/٢٨٦ تا٢٨٩، مكتبةنزار مصطفي الباز، سعوديه
- تحفة الملوك لزين الدين الرازي الحنفي ٦٦٦هـ
ص:٩٠ دارالبشائر الإسلامية بيروت ١٤١٧هـ
- المجموع شرح المهذب للنووي ٦٧٦هـ
٥/٩،دار الفكر، بيروت
- شرح النووي على مسلم للنووي ٦٧٦هـ
١/٣٧٦، رقم:١٤٤٢، شروط جواز خروج النساء إلى المساجد، اداره فيصل ديوبند ٢٠١٩ء
- الاختيار لتعليل المختار للموصلي الحنفي ٦٨٣هـ
١/٥٩ دارالكتب العلمية بيروت لبنان
- اللباب في الجمع بين السنة والكتاب للإمام جمال الدين المنيحي

٦٨٦هـ

(٢٥٥/١ ،باب ما يكره للشواب من النساء حضور الجماعة ليلا كان أونهارا، دار القلم، دمشق الطبعة الثانية ١٤١٤هـ)

- إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام لابن دقيق العيد ٦٠٢هـ
  ١٩٦/١ تا ١٩٨، مطبعة السنة المحمدية
- تبيين الحقائق للإمام فخرالدين الزيلعي ٧٤٣هـ
  ١٣٩/١ المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق القاهرة ١٣١٣هـ
- الكوكب الدراري شرح البخاري للكرماني ٧٨٦هـ
  ٢٠٨/٥، ٢٠٩، دار احياء التراث العربي، بيروت ١٣٥٦هـ
- فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي ٧٩٥هـ
  ٣٧/٨ تا ٥٧، مكتبة الغرباء الاثرية،مدينة المنورة، الطباعة الأولى ١٩٩٦ء
- طرح التثريب في شرح التقريب لزين الدين العراقي ٨٠٦هـ
- نخب الأفكار في شرح شرح معاني الآثار للبدر العيني ٨٥٥هـ
  ٦٦١/٦-٦٦٢، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية قطر ١٤٢٩هـ
- البناية شرح الهداية للعيني ٨٥٥هـ
  ٣٥٤/٢ دارالكتب العلمية بيروت ١٤٢٠هـ
- فتح القدير للإمام كمال الدين ابن الهمام ٨٦١هـ
  ٣٦٥/١ دارالفكر
- دررالحكام شرح غررالأحكام لمنلا خسرو الحنفي ٨٨٥هـ

١/٨٦ مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچي،

- الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف المرداوي ٨٨٥هـ

٥/٣٣٨، قاهره، مصر

- البحرالرائق للعلامة ابن نجيم المصري الحنفي ٩٧٠هـ

١/٣٨٠ دارالكتاب الإسلامي

- النهر الفائق للعلامة عمر ابن نجيم المصري الحنفي ١٠٠٥هـ

١/٢٥٠ دارالكتب العلمية ١٤٢٢هـ

- فتح باب العناية لملّا على القاري ١٠١٤هـ

١/٢٨٤ شركة دارالأرقم بن أبي الأرقم ١٤١٨هـ ١٩٩٧م

- شرح مسند أبي حنيفة لملا على القاري الحنفي ١٠١٤هـ

١/١٣٤ دارالكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٥هـ ١٩٨٥م

- الدرالمختار شرح تنوير الأبصار للعلامة علاء الدين الحصكفي ١٠٢٥هـ

١/٥٦٦ دارالفكر بيروت، طبعة ثانية ١٤١٢هـ ١٩٩٢م

- مجمع الأنهر لشيخ زاده ١٠٧٨هـ

١/١٠٩ دارإحياء التراث العربي

- حاشية السندي على سنن النسأي لأبي الحسن السندي ١١٣٩هـ

١/٢١٢، رقم:٧٠٦، باب النهي عن منع النساء من اتيانهم

المســـاجد، و:۱/۴۱۸، رقـــم:۱۵۵۸، خـــروج العوائـــق و ذوات الخدور في العيدين، اداره فيصل ديوبند ۲۰۲۱ء

- حاشـية السـندي على صحيح مسـلم لأبي الحسـن السـندي ۱۱۳۹ھ

۱/۳۷۶، ۳۷۷، رقم:۴۴۲، باب خروج النساء إلى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة وأنها لا تخرج مطيبة، و:۱/۵۹۴، رقم:۸۹۰، كتاب صلاة العيدين، اداره فيصل ديوبند ۲۰۱۹ء

- حاشـية السـندي على سـنن ابـن ماجـه لأبي الحسـن السـندي ۱۱۳۹ھ

۱/۴۰۷، رقم:۱۳۰۷، باب ماجاء في خروج النساء في العيدين، و:۱/۳۴۰، رقـم:۱۰۰۱، بـاب صـفوف النسـاء، اداره فيصـل ديوبند ۲۰۲۱ء

- حجة الله البالغة للمحدث شاه ولى الله الدهلوي ۱۱۷۶ھ

۲/۴۱، دار الجيل، بيروت

- «عقود الجواهر المنيفة في أدلة أبي حنيفة مما وافق فيه الأئمة السـنة أو أحـدهم، للعلامـة محمد مرتضـي الزّبِيـدي المتـوفي سـنة ۱۲۰۵،

۱/۷۴ المطبعة الوطنية الطبعة الأولى ۱۲۹۲ھ

- رسائل الأركان لبحر العلوم عبد العلى اللكنوي الحنفي ۱۲۲۵ھ

ص:۱۰۰،بيان منع النساء عن حضور الجماعة، ط:مكتبة دار

العلوم ديوبند

- الشرح الكبير للشيخ أحمد الدردير ١٢٣٠هـ
  ٣٣٥/١، ٣٣٦، دار الفكر، بيروت
- رد المحتار على الدر المختار لابن عابدين ١٢٥٢هـ
  ٥٤٩/٣، ٥٥٠، دار الثقافة والتراث، دمشق، سوريه ١٤٢١هـ /٢٠٠٠ء
- المواهب اللطيفة لملّاعابد السندي ١٢٥٧هـ
  ١٦/٣تا٢٣ دارالنوادر، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٤هـ
- مسند الإمام الأعظم لملا عابد السندي ١٢٥٧هـ
  ص:٢٤٣-٢٥٥تا٢٥٦ مكتبة البشریٰ كراچي الطبعة الأولیٰ ١٤٣١هـ
- حاشية البخاري لأحمد على السهارنفوري ١٢٩٧هـ
  ٥٢٣/١،اداره فيصل ديوبند
- حاشية الترمذي لأحمد على السهارنفوري ١٢٩٧هـ
  ٣٢٥/١، اداره فيصل ديوبند
- فتاوى اللكنوي للإمام عبد الحي اللكنوي ١٣٠٤هـ
  ص:٣١٤ تا٣١٧، دار ابن حزم، ملخصا
- حاشية تنسيق النظام للإمام محمد بن حسن السنبلي ١٣٠٥هـ
  ص:٢٤٣-٢٥٥-٢٥٦ مكتبة البشریٰ كراچي الطبعة الأولیٰ ١٤٣١هـ

- حاشية سنن ابن ماجه للشيخ فخر الحسن الكنكوهي ١٣١٥ھ

١/٤٠٧، اداره فيصل ديوبند

- حاشية سنن أبي داود للشيخ فخر الحسن الكنكوهي ١٣١٥ھ

ا/٢٦٣، ٢٦٤، اداره فيصل ديوبند

- آثار السنن للعلامة النيموي ١٣٢٢ھ

٤/٢٦٠ تا ٢٦٢، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي الطبعة الثالثة ١٤١٤ھ

- الكوكب الدري شرح جامع الترمذي للعلامة رشيد أحمد الكنكوهي ١٣٢٣ھ

١/٤٣٤/٤٣٥ مطبعة ندوة العلماء لكناؤ الهند، الطبعة الأولیٰ ١٣٩٥ھ

- لامع الدراري على جامع البخاري للكنكوهي ١٣٢٣ھ

٣/٤٣١ تا ٤٣٧، المكتبة الإمدادية، باب العمرة،مكة المكرمة ١٣٩٥ھ/١٩٧٥ء

- بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد للإمام خليل أحمد السهارنپوري ١٣٤٦ھ

٣/٤١٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية الهند

- فيض الباري شرح صحيح البخاري للعلامة أنور شاه الكشميري ١٣٥٢ھ

٤١٢/٢-٤١٣ دارالكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ٢٠٠٥هـ

- العرف الشذي على جامع الترمذي للكشميري ١٣٥٢هـ
  ٣٢٥/١، و:٣٤١/١، اداره فيصل ديوبند
- فتح الملهم بشرح صحيح مسلم للعلامة شبير أحمد العثماني ١٣٦٩هـ
  ٣٨٩/٣تا٣٩٥ و٣٨٨/٥تا٣٩٠ داراحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٦هـ
- زجاجة المصابيح للشيخ أبي عبد الله الحيدرآبادي ١٣٨٣هـ
  ٣٣٨/١ بشرىٰ كراچي
- إعلاء السنن للعلامة ظفر أحمد العثماني ١٣٩٤هـ
  ٢٦٠/٤، ٢٦٢، ادارة القرآن والعلوم الإسلامي، كراچي الطبعة الثالثة ١٤١٤هـ
- قلائد الأزهار شرح كتاب الآثار للمفتي مهدي حسن الشاهجهان فوري ١٣٩٦هـ
  ١١٧/٢ تا١٢٢ مكتبه نعمانيه ديوبند
- معارف السنن شرح جامع الترمذي، للإمام يوسف بنوري ١٣٩٧هـ
  ٦٠/٥تا٦٣ ايچ ايم سعيد كمپني كراچي
- أوجز المسالك إلىٰ شرح موطأ الإمام مالك للشيخ محمد زكريا الكاندهلوي ١٤٠٢هـ

٢٠٧/٤تا٢١٤ دارالقلم، دمشق الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤هـ

- تعليقـات المحـدث محمد زكريـا الكانـدهلوي على لامـع الـدراري ١٤٠٢هـ

٣/٤٣١ تـا ٤٣٨، المكتبـة الإمداديـة، بـاب العمرة،مكـة المكرمـة ١٣٩٥هـ/١٩٧٥ء

- أصول الإفتاء وآدابه مع الفتح الرباني للشيخ محمد تقي العثماني

ص:٦٣٤، ٦٣٥،تغيـر الاحكـام لسـد الـذرائع، مكتبـة الحـراء، ڈهاكه، بنگله ديش، الطبعة الأولى ١٤٣٥هـ

- كفاية المغتذي في شرح جامع الترمذي للشيخ عبد المتين

٤/٣٤١ تـا ٣٤٥، و:٤/٤٢٠ تـا ٤٢٤، المؤسسـة العلميـة، ڈهـاكه، بنگلاديش، الطبعة الأولى ١٤٤٣هـ

دو فکر انگیز اقتباس

آخر میں؛ دو فکر انگیز اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ۔ جو شرعی معاملات میں اپنے معتدل اور سنجیدہ تبصرہ میں ایک منفرد شان رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں:

> ”پس کس قدر افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کے حال پر جو عورتوں کو مسجد میں بلاتے اور جماعتوں میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور آپ کی مرضی و منشاء کے خلاف انھیں تعلیم دیتے اور غضب یہ کہ اسے سنت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیائے سنت سمجھتے ہیں، اگر عورتوں کے لیے

جماعتوں میں حاضر ہونا سنت ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلہ کی نماز کو اور مسجد محلہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل کیوں فرماتے؟ کیونکہ اس صورت میں گھر میں تنہا نماز پڑھنا عورتوں کے لیے ترک سنت ہوتا تو کیا ترک سنت میں ثواب زیادہ تھا اور سنت پر عمل کرنے میں کم اور کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر گویا ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے، شاید یہ لوگ اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ بزرگ اور اپنی مسجدوں کو آنحضرت ﷺ کی مسجد شریف سے افضل سمجھتے ہیں''۔ اھ [1]

مشہور محدث اور ماہنامہ دار العلوم دیوبند کے سابق مدیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''آج لوگ گرد و پیش اور انجام و عواقب سے آنکھیں بند کر کے خواتین ملت کو گھروں کی چہار دیواری سے باہر نکلنے کی دعوت دے رہے ہیں، کیا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ حقوق نسواں کا پاس و لحاظ کرنے والے ہیں یا ان کا معاشرہ اور سوسائٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوسائٹی سے عمدہ اور بہتر ہے یا وہ منشاء رسول ﷺ کو حضرت زبیر بن عوام، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عروہ بن زبیر قاسم بن محمد، اسود، علقمہ، تلامذہ ابن مسعود، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کی تصریح کے مطابق) جمہور صحابہ، اور فقہاء و محدثین: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام محمدؒ، امام طحاویؒ، ابن عبد البرؒ، ابن دقیق العیدؒ، امام نوویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت گنگوہیؒ،

(۱) صلاۃ الصالحات نیک بیبیاں نماز کہاں پڑھیں، ص:۲۱، مکتبہ دار العلوم دیوبند۔

حضرت نانوتویؒ، قاری محمد طیبؒ، علامہ کشمیریؒ اور شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اساطین علم سے زیادہ سمجھتے ہیں؟"۔ (۱)

خلاصہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کا جو اقتباس پہلے گذر چکا ہے، خلاصہ میں اسی کو کچھ اضافہ کے ساتھ پیش کرتا ہوں:

(الف) خواتین کے حق میں مساجد سے رک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے؛ لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے، نہ ایماء، نہ ترغیب ہے، نہ تشویق؛ ہاں ایک اباحت اور اجازتِ محضہ ہے اور وہ بھی عدم ممانعت کے عنوان سے اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محول، پھر عورتوں کے لیے مکان صلاۃ کے ترتیب وار درجات قائم کیے ہیں، یعنی: پہلے کوٹھری، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر اور باحجاب اور قاطع اختلاط ہے، ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

(ب) اسی وجہ سے امہات المؤمنین اور بنات طاہرات کا نماز کے لیے مسجد آنا ثابت نہیں ہے، حالانکہ ان کے گھر مسجد سے ملحق تھے، روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتی تھیں۔

(ج) تاریخ وسیرت کی کتابوں میں کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی نہیں ملتا کہ انھوں

(۱) خواتین اسلام کی بہترین مسجد، ص:۴۷، مرکز دعوت و تحقیق دیوبند، اشاعت ۱۴۱۸ھ، اضافہ کے ساتھ۔

نے اپنی زوجہ کو مسجد آنے کی ترغیب دی ہو یا مسجد میں حضور ﷺ کی مبارک مجلس میں شرکت کرنے پر توجہ دلائی ہو، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات مطہرہ رضی اللہ عنہن سے زیادہ خیر کا طالب کون ہوسکتا ہے اور ان کے دور سے زیادہ مبارک اور فتنوں سے محفوظ دور کونسا ہوسکتا ہے؟

(د) لہذا خواتین کو مسجد آنے کی ترغیب دینا، ان کو شوق و رغبت دلانا اور امت مسلمہ کی توجہ خواتین کی مسجد آمد کی طرف مبذول کرانا منشاء شریعت کے خلاف ہے۔

(ھ) مذکورہ اجزاء کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے مسجد میں داخلہ سرے سے ممنوع ہے، مذہب اسلام میں مرد کی طرح عورت بھی مسجد میں داخل ہوسکتی ہے اور ضرورت کے مواقع پر نماز بھی پڑھ سکتی ہے، عوامی مقامات (بازار، اسٹیشن، بس اسٹینڈ، شاہراہ وغیرہ) کی مساجد میں انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ خواتین کے لیے مستقل الگ جگہ کا نظم بناکر رکھیں، تاکہ بوقت ضرورت خواتین کے لیے نماز اداء کرنے میں تنگی نہ پیش آئے۔[۱]

(و) عہد نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے مسجد کو عمومی طور پر قطعا مرکز نہیں بنایا گیا تھا، لہذا موجودہ وقت میں مسجد میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا نظام قائم کرنے کو عہد نبوی کے نظام سے وابستہ کرنا اور خواتین کے لیے مسجد کی جماعت میں شرکت کو دینی تعلیم و تربیت کی حیثیت سے پیش کرنا دور نبوی کے نظام تعلیم و تربیت کی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

(ذ) علمی امور میں عرض اور تعبیر کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ بعض مسائل

---

(۱) تحفۃ الالمعی، ج:۲، ص:۱۴۷، مکتبہ حجاز دیوبند۔

میں مسئلہ کا عرض ہی بنیاد کا درجہ رکھتا ہے، زیر بحث مسئلے کو جائز اور ناجائز عنوان سے پیش کر کے خواتین کو مسجد کی جماعت کی طرف رغبت دلانا احادیث مبارکہ کے مجموعی فہم کے خلاف ہے۔

مساجد میں اجتماعِ مَردوزَن

(ایک کلّی اور اُصولی گفتگو)

از: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

مسجد میں خواتین کی نماز سے متعلق حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا حکیمانہ اور اصولی مضمون نقل کرنا بھی برکت سے خالی نہیں ہے جو اگرچہ دقیق ہے؛ لیکن سد الذرائع کی اصولی بحث کو سمجھنے میں بڑا معاون ہے، یہ مضمون حضرت مولانا حکیم فخر الاسلام صاحب مظاہری مد ظلہ نے اپنی تمہید، تحشیہ اور ذیلی عنوانات کے ساتھ شائع فرمایا تھا، حکیم صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہاں پیش ہے:

حکیم صاحب تمہید میں لکھتے ہیں:

[نمازوں کے لیے خواتین کے مساجد میں حاضری کے موضوع کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی ایک تحریر میں بڑی اُصولی نوعیت کی گفتگو فرمائی ہے۔ پہلے تو اُنہوں نے خیر و شر ہونے کے لحاظ سے، افعال کی دو قسمیں قرار دی ہیں، پھر اچھے اور بُرے افعال کی مزید تفصیل ذکر کرتے ہوئے عقل و شرع کا جو فیصلہ ہے اُسے بیان فرمایا ہے اِس موقع پر وہ تحریر پیش کی جارہی ہے، راقم الحروف کی نظر میں گفتگو جس قدر اہم ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ اِستناد قائم رہنے کے لیے اُسے حضرت رحمہ اللہ کی عبارت میں ہی پیش کیا جائے؛ لہٰذا ایسا ہی کیا گیا ہے۔ ہاں! یہ ضرور کیا گیا ہے کہ مضمون کے اصل

الفاظ کو باقی رکھتے ہوئے، بعض غیرمانوس و مشکل الفاظ کی کسی قدر سہل تعبیر معکوفینی تفہیمات کے ساتھ اِس طرح شامل کردی گئی ہے کہ متن، اُس سے ممتاز رہے؛ نیز مرکزی عنوان، ذیلی عنوانات، اقسام کی درجہ بندی، یعنی نمبروار قسمیں بھی واضح کردی گئی ہیں۔ اصل تحریر ملاحظہ ہو]:

افعال کی تقسیم بہ لحاظِ خیر و شر

۱-اچھے افعال:

[حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں]: بعض بعض افعال تو خیر، بایں معنٰی ہوتے ہیں کہ اُن کی وضع کسی امرِ خیر کے لیے ہوتی ہے۔ سو، جیسے آگ اِحراق و حرارت کے لیے اور پانی رطوبت اور ترطیب [تَری پہنچانے] کے لیے موضوع اور مخلوق ہوئے ہیں، ایسے ہی نماز مثلاً تعظیم باری کے لیے موضوع ہوئی ہے، جس کی خیریت [وعمدگی] میں پھر کچھ تامل نہیں اور جس میں اصلاً شائبہ شر نہیں۔ [ظاہر ہے کہ ایسے افعال اچھے شمار ہوں گے اور محاسن کہلائیں گے]۔

۲-بُرے افعال:

اور بعض افعال شرِمحض بایں معنٰی ہوتے ہیں کہ اُن کی وضع کسی امرِ شر کے لیے ہوتی ہے۔ سو، جیسے قطعِ اعضاء، تخریبِ بدن اور فسادِ جسم کے لیے موضوع ہے، ایسے ہی ظلم وستم آزارِ مردم [انسانوں کو تکلیف پہنچانا] اور زنا حد سے [بڑھی ہوئی] بے حیائی کے لیے موضوع ہوا ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس اور افعال کو سوچ دیکھیے [اِس قسم کے تمام افعال خالص شر سے تعلق رکھتے ہیں اور مذموم سمجھے جاتے ہیں]۔

۳-افعال جن کی ذات میں اچھائی ہے، نہ خرابی:

مگر بعض افعال ایسے ہیں جن کی حدِذات اور مرتبۂ حقیقت میں نہ کوئی خوبی ہوتی ہے نہ کوئی بُرائی، تو:

الف: یہ [افعال] اگر نتیجہ حَسَن کے وسیلہ اور امر خیر کے ذریعہ ہوجاتے ہیں، تو من جملہ محاسن سمجھے جاتے ہیں۔

ب: اور اگر کسی نتیجہ قبیح [خرابی و فساد) کے وسیلہ اور امرِ شر کے ذریعہ ہوجاتے ہیں، تو من جملہ مَساوی و ذمائم [خرابیاں اور بُرائیاں] شمار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: رفتار، اِبصار، اِستماع [چلنا، دیکھنا، سننا] وغیرہ، کہ فی حد ذاتہ، نہ اُمورِ حسن ہیں نہ قبیح؛ البتہ:

- اگر رفتار مسجد کی طرف ہے، تو من جملہ طاعات سمجھی جاوے گی۔
- اور اگر شراب خانہ یا بُت کردہ یا چکلہ [طوائف خانہ] کی طرف ہے، تو سیئات میں داخل ہوجاوے گی۔

ج: اور اگر کہیں [خیر و شر کی] دونوں [حیثیتیں ایک ہی فعل میں] مجتمع ہوجائیں، تو پھر غلبہ کا لحاظ کیا جائے گا۔ مثلاً:

مساجد میں اجتماعِ مرد و زَن

اِجتماعِ رجال و نساء مساجد میں اگر [ایک طرف] موجبِ حصولِ برکاتِ جماعت و مُزید ثواب [ثواب کی زیادتی کا باعث] ہے، تو [دوسری طرف] اندیشۂ فتنہ اور خوفِ تعلقِ خاطر [یعنی خوفِ پراگندگیِ قلب] یکے بادیگرے [1] بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے۔ اس میں:

(۱) یعنی مَردوں اور عورتوں کا مسجد میں جمع ہونا اگر ایک طرف جماعت کی برکات حاصل ہونے اور ثواب میں اضافہ کا باعث ہے، تو دوسری طرف فتنہ کا خوف بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے۔

جہتِ اولیٰ:

اگر مکان یازمان میں جہتِ اُولیٰ [ثواب وبرکات کی حصول یابی] غالب ہوگی - جیسے زمانِ برکت توامانِ حضرت نبی آخرالزماں ﷺ بہ وجہ کمالِ زہدِ صحابہ وصحابیات وغلبۂ ایمانِ ابنائے روزگار[1] اندیشۂ فساد اگر تھا، تو موہوم تھا- تو ایسے اوقات اور امکنہ میں [اجتماعِ مَردوزَن کی] اجازت ہوگی؛ بل کہ داخلِ سلسلۂ محاسن ہوجائے گا۔

جہتِ ثانیہ:

اور اگر کسی زمان ومکان میں جہتِ ثانیہ [اندیشۂ فتنہ کی جہت] قوی نظر آئے گی، تو [حصولِ برکات وثواب کا] حکمِ اوّل منعکس بہ ممانعت ہوجائے گا اور یہ فعل [اجتماعِ مَرد وزَن] از قسم سیئات سمجھا جاوے گا۔[2]

فائدہ: حضرت نانوتویؒ نے خواتین کی مسجد میں باجماعت نماز کے مسئلے کو سد الذرائع کی اصولی بحث کے تحت داخل فرمایا ہے، سد الذرائع کی اصولی بحث اور زیر بحث مسئلے کی تطبیق کی تفصیل کے لیے دیکھیے: اصول الافتاء و آدابہ، مؤلفہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم مع تعلیقات الفتح الربانی، ص: ۶۲۹ تا ۶۳۹، مکتبہ الحراء، ڈھاکہ، بنگلہ دیش، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء (محمد مصعب عفی عنہ)

---

(۱) یعنی حضور ﷺ کا زمانہ کہ اُس میں صحابہؓ وصحابیاتؓ کے زہد وتقویٰ اور قوتِ ایمانی کی وجہ سے حصولِ ثواب وبرکات کی جہت غالب قرار پائی۔

(۲) دیکھیے! الامام محمد قاسم نانوتویؒ، تشریح وتحقیق حکیم فخرالاسلام: تصفیۃ العقائد: ص ر ۱۳۷-۱۳۸۔ (۱۴۳۳ھ، مجمع الفکر القاسمی الدولی دیوبند۔

اظہار تشکر

● اللہ تعالی کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ کو اپنے مشفق اساتذہ کے زیر سایہ فقہ و فتاوی سے جڑے رہنے کی توفیق عنایت فرمائی، احقر اپنے مرشد و مربی، نمونۂ اسلاف، اخلاص وللّٰہیت کے پیکر اور اخلاق حسنہ کا مجسم حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم کا شکر اداء کرنے سے قاصر ہے، حضرت نے غیر معمولی مصروفیت کے باوجود پورے مسودے کو حرفا حرفا ملاحظہ فرماکر تصحیحات فرمائیں اور تائید و توثیق کے جو کلمات تحریر فرمائے، وہ احقر کی حیثیت سے کہیں بلند ہیں، اللہ تعالی حسن ظن کو قبول فرماتے ہوئے ستر پوشی کا معاملہ فرمائے اور حضرت والا کی دعا کو قبول فرماکر اکابر کے علوم سے حقیقی شغف عطا فرمائے۔

حضرت نے جب مسودہ واپس کیا تو نشان زد مقامات کو دیکھ کر بندہ حیرت زدہ رہ گیا کہ ایک طالب علمانہ کاوش پر اتنی باریک بینی کے ساتھ نظر ثانی، یہ صرف حضرت والا کے خلوص اور علم دین سے فطری تعلق کی بات ہے، اللہ تعالی اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کا سایہ عاطفت قائم و دائم فرمائے۔

● استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الہ آبادی مدظلہ کا بھی شکرگذار ہوں، حضرت نے پورا مسودہ بغور ملاحظہ فرمایا اور ایک مفصل قیمتی تقریظ تحریر فرمائی۔

● استاذ گرامی حضرت مولانا سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ اس موضوع پر لکھنے کی تحریک و تشویق حضرت ہی نے فرمائی تھی، دوران بحث بھی قیمتی مشوروں سے رہنمائی فرماتے رہے، حوصلہ دلاتے رہے اور بعد میں

مسودہ پر نظر ثانی فرماکر قیمتی تاثرات قلم بند فرمائے۔

● حضرت مولانا سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے بھی قیمتی تحریر عنایت فرماکر حوصلہ افزائی فرمائی، بندہ بے حد مشکور ہے۔

● رفیق گرامی حضرت مولانا مفتی اسد اللہ صاحب آسامی دامت برکاتہم کی نظر ثانی کے بعد بندہ کو کافی اطمینان حاصل ہوا؛اس لیے کہ موصوف کو اللہ تعالی نے زمانہ طالب علمی ہی سے بہترین اور صاف ستھری تنقیدی نظر سے نوازا ہے اور علم دین سے فطری اور مخلصانہ لگاؤ عطا فرمایا ہے، ان کا تبصرہ احقر کے لیے بڑے اطمینان کا باعث ہے۔

● بندے نے بہت سے اکابر و احباب سے بھی مشاورت کا اہتمام کیا، خصوصا حضرت مولانا عبد المالک صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی فیض اللہ صاحب، حضرت مولانا حکیم فخر الاسلام مظاہری، حضرت مولانا مفتی حبان بیگ قاسمی، اُن کے والد محترم جناب ڈاکٹر فیضان بیگ صاحب اور برادر عزیز حضرت مولانا مفتی محمد عمر قاسمی وغیرہ کا بھی شکر گذار ہوں، اللہ تعالی سب کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

● یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ احقر نے اس موضوع پر بحث و مناقشہ کے لیے امسال، یعنی ۱۴۴۴ھ کے طلبہ تمرین افتاء دار العلوم دیوبند (مولانا نور محمد سہارنپوری، مولانا عاصم اعظمی، مولانا عاطف اعظمی، مولانا اصغر گریڈیہ، مولانا زفر مدناپوری اور مولانا عظمت دہرادونی) اور عزیزم مفتی محمد طلحہ راجستھانی، مفتی محمد مونس دیوبندی اور مفتی دانش عظیم دہلوی کو اپنے ساتھ شریک رکھا تاکہ موضوع کی تنقیح کے دوران جانبین کو فائدہ پہنچے، الحمد للہ سب نے بحث و تنقیح میں بھرپور حصہ لیا جس سے موضوع کے مختلف گوشے نکھر کر سامنے آئے اور موجودہ طرز فکر کو سمجھنے میں مدد ملی۔ اللہ تعالی ان کی محنت و کوشش کو قبول فرمائے۔

● کتاب کی کمپوزنگ میں جناب مولانا محسن صاحب غازی آبادی نے بروقت غیر معمولی محنت کی اور تحسین و تزئین میں جناب مولانا عبد الہادی صاحب قاسمی نے فنی

مہارت کے ذریعہ بھرپور تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

● بندہ اس حقیر کاوش کو مادر علمی مدرسہ معاذ ابن جبل، علی گڑھ، دار العلوم دیوبند اور دونوں کے عظیم اساتذہ، نیز اپنے مشفق والدین کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے، جن کی دعاؤں اور توجہات کا یہ ناچیز ہر وقت محتاج ہے۔

● قارئین سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے، خطا اور لغزش مستبعد نہیں، اس لیے اگر کوئی تسامح نظر آئے تو بندہ کو اس سے ضرور مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔

● آخر میں ایک بار پھر احقر اللہ جل شانہ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! جس طرح آپ نے اِس عمل کی توفیق عنایت فرمائی، اسی طرح اس کو محض اپنے فضل و کرم سے قبولیت بھی عطا فرمائیے، راقم الحروف، اس کی رفیق حیات، والدین، اساتذہ کرام اور اُن تمام محبین و مخلصین کی مغفرت فرمائیے جنھوں نے اس کام میں کسی درجے بھی تعاون کیا، آمین ـ یارب العالمین۔

وصلى الله تعالى على سيدنا و مولانا محمد خاتم النبيين وعلى آله الأطهار الطيبين، ورضي الله تعالى عن صحابته الكرام الغر الميامين، أجمعين، والحمد لله رب العالمين.

محمد مصعب عفی عنہ

خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

۲۱ شعبان ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۴ مارچ ۲۰۲۳ء

بہ روز سہ شنبہ

مراجع

دوسری صدی ہجری سے پندرہویں صدی تک کے اہم حوالجات؛عنوان کے تحت جن مراجع کا ذکر ہو چکا ہے، ان کے علاوہ باقی مراجع کی تفصیلات یہ ہیں:

۱- المستصفی للامام غزالی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۳ھ۔

۲- روضۃ الناظر لابن قدامہ، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۳ھ۔

۳- کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، طبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد، الطبعۃ الاولی ۱۲۷۱ھ۔

۴- تذکرۃ الحفاظ للذہبی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۹ھ۔

۵- تہذیب التہذیب لابن حجر، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند، الطبعۃ الاولی ۱۳۲۶ھ۔

۶- اعلام الموقعین لابن قیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ۔

۷- الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر الہیتمی، دار الفکر، بیروت۔

۸- مقدمہ لامع الدراری، المکتبۃ الامدادیۃ، مکۃ المکرمۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ۱۳۹۵ھ۔

۹- مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ، دار العربیۃ، بیروت۔

۱۰- المحلی بالآثار، دار الفکر، بیروت۔

۱۱- أثر الحديث الشريف،، دار اليسر، مدینہ منورہ، الطبعۃ الثامنۃ ۱۴۳۹ھ۔

۱۲- موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمين وعبادہ المرسلين، دار احیاء التراث العربی بیروت، طبع ثانی: ۱۴۰۱ھ۔

۱۳- رفع الملام عن الائمۃ الاعلام، الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ، الریاض۔

۱۴- جذوۃ المقتبس فی تاریخ علماء الاندلس للحمیدی، الدار المصریۃ، قاہرہ ۱۹۶۶ء۔

۱۵- کتاب الزہد لابن المبارک مع مقدمہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۶- مفہوم تجدید الدین، شیخ بسطامی محمد سعید، وزارۃ الاوقاف، قطر۔

۱۷- مجلۃ الرسالۃ، العدد: ۳۹۶، أسبوع فی تاریخ الازھر۔

۱۸- مقالہ اللامذہبیۃ قنطرۃ اللادینیۃ، المکتبۃ الازہریۃ للتراث/مصر ۲۰۰۶ء۔

۱۹- مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت للقاضی محب اللہ، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۳ھ۔

۲۰- الاسناد من الدین، دار البشائر الاسلامیۃ، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۳۵ھ۔

۲۱- مقالات الکوثری، مظہر جدید فی الازہر الحدیث، العقیدۃ المتوارثۃ والفقہ المتوارث، دار السلام، قاہرہ، طبع رابع ۱۴۳۶ھ۔

۲۲- تالیفات رشیدیہ، مکتبۃ الحق، جوگیشوری، ممبئی۔

۲۳- سبیل الرشاد، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۲۴- ایضاح الادلہ، شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم دیوبند، طبع: ۱۴۱۳ھ۔

۲۵- الانتباہات المفیدہ، انتباہ ہفتم، تصحیح و تحقیق مولانا حکیم فخر الاسلام صاحب مظاہری، ناشر: مجمع الفقہ الاسلامی الدولی دیوبند، اشاعت اول ۱۴۴۲ھ۔

۲۶- تصفیۃ العقائد، جواب اصل سیزدہم، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند۔

۲۷- اشرف التفاسیر، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔
۲۸- تقریر بخاری شریف اردو، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، جمع ترتیب: مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری، مکتبۃ الشیخ، کراچی۔
۲۹- امام ابن ماجہ اور علم حدیث، حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی۔
۳۰- احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور، طباعت ۱۴۱۸ھ۔
۳۱- اجتہاد و تقلید کی بے مثال تحقیق، علمی مرکز، انار کلی، لاہور۔
۳۲- علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات، پی ایچ ڈی مقالہ، ص:۲۲۴، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور۔
۳۳- علوم و نکات: مجموعہ مقالات حضرت مولانا اعجاز اعظمی۔
۳۴- تقلید و اجتہاد، بشری، کراچی، سن اشاعت ۱۴۳۹ھ۔
۳۵- شرح الانتباہات، تحقیق و تشریح مولانا حکیم فخر الاسلام مظاہری، ناشر: مجمع الفکر القاسمی الدولی اکل کوا، اشاعت اول ۱۴۴۲ھ۔
۳۶- اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ لدھیانوی، کراچی۔
۳۷- تدوین فقہ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، الصدف پبلشرز، کراچی، طبع اول ۱۴۲۸ھ۔
۳۸- حاشیہ الامام ابن ماجہ و کتابہ السنن، تحقیق شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، مکتبہ الاتحاد، دیوبند۔
۳۹- الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ فی الاقطارالاسلامیۃ، دار الندوۃ للتوزیع، لبنان، طبع ثانی ۱۳۸۸ھ)۔
۴۰- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، تیسرا ایڈیشن ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۴۱- جہان دیدہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، اشاعت ۱۴۳۱ھ۔
۴۲- خواتین اسلام کی بہترین مسجد، مع پیش لفظ حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ، مرکز دعوت وتحقیق، دیوبند، اشاعت اول ۱۴۱۸ھ۔
۴۳- نقد ونظر مجموعہ تبصرے، حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ۔
۴۴- عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام، علامہ کشمیریؒ۔
۴۵- شرعی پردہ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ادارہ اسلامیات، لاہور۔
۴۶- فتاوی رحیمیہ، دار الاشاعت، کراچی۔
۴۷- حجۃ اللہ البالغۃ، دار الجیل، بیروت۔
۴۸- حجاب شرعی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور۔
۴۹- خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، مع عرض ناشر حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ ادارہ اسلامیات، کراچی، اشاعت اول ۱۴۲۱ھ۔
۵۰- صلاۃ الصالحات نیک بیبیاں نماز کہاں پڑھیں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مکتبہ دار العلوم دیوبند۔
۵۱- خطبات دار العلوم دیوبند، مرتبہ حضرت مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی، ادارہ فکر اسلامی، افریقی منزل قدیم دیوبند۔
۵۲- خطبات حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی دامت برکاتہم مع تقریظ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، خانقاہ محمودیہ، بنارس۔
۵۳- ماہنامہ دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ نمبر، مضمون حضرت مولانا توحید عالم صاحب بجنوری مد ظلہ۔
۵۴- ہفت روزہ الجمعیۃ کا مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر، مضمون: حضرت مولانا محمد

سلمان صاحب بجنوری مد ظلہ، بعنوان:آہ! اقدار اسلاف کا پاسباں خاموش ہے،
الجمعیۃ، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی۔

۵۵- کیفیت جلسہ دستار بندی مدرسہ اسلامی دیوبند ۱۳۰۱ھ۔
ماہنامہ الرشید کا دار العلوم دیوبند نمبر، تقریر علامہ کشمیریؒ۔

* * *

تأثرات

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی
استاذِ حدیث و مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت مولانا مفتی مصعب صاحب معین مفتی دارالعلوم دیوبند کی تالیف کردہ کتاب بنام: ''فقہ شریعت کی فہم سلیم'' دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ماشاءاللہ اس کتاب میں فقہ کے استنباطی مسائل کا کیا مقام ہے، اس کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں احقر پہلے ایک حدیث شریف یہاں پیش کرتا ہے کہ حضرت امام طبرانیؒ نے ''المعجم الاوسط'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا تھا کہ ہمارے پاس اگر کوئی ایسا نیا مسئلہ یا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صریح حکم نہ ہو تو اس کے بارے میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے مسائل کے بارے میں تمہیں ایسے علماء اور فقہاء سے مسئلہ معلوم کرنا ہے جو فقیہ بھی ہوں اور متقی بھی ہوں اور ایسے مسائل میں اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرنا ہے، فقہاء ایسے مسائل کے بارے میں حلت و حرمت سے متعلق استنباط کرکے جو مسئلہ پیش کریں گے تم کو اسی پر عمل کرنا ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن علي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قال: قلت يا رسول الله إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرني؟ قال شاوروا فيه الفقهاء والعابدين،

ولا تمضوا فيه رأي خاصة. (المعجم الأوسط جديد ١/ ٤٤١، رقم: ١٦١٨)

وقال الهيثمي: رجاله موثقون من أهل الصحيح۔

اس حدیث شریف کے ذریعہ سے حضور اکرم انے اس بات کو واضح فرمادیا ہے کہ دلائل شرعیہ میں سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ میں سے کسی مسئلہ سے متعلق دلیل میسر نہ ہو تو فقہاء کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس مسئلہ کی حلت وحرمت سے متعلق دلائل ثلاثہ کی روشنی میں استنباط کرکے مسئلہ بتائیں۔

مؤلف موصوف نے زمانہ میں پیش آنے والا ایک اہم مسئلہ کو موضوع بحث بناکر یہ کتاب لکھی ہے، وہ مسئلہ خواتین کا مسجد میں جاکر کے باجماعت نماز پڑھنے سے متعلق ہے، یہ مسئلہ اصل پیش نظر اس مسئلہ کو اجاگر کرنے کے لئے موصوف نے بڑی طویل بحث، علماء کی تحریرات کے ذریعہ سے نوٹ فرمایا ہے، انہوں نے اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے آٹھ تمہیدی موضوعات پر گفتگو فرمائی ہے، کتاب کے صفحہ ۴۴ سے لے کر صفحہ ۱۶۶ تک تقریبًا ۱۲۰ صفحات میں تمہیدی موضوعات پر گفتگو فرمائی ہے، پھر اس کے بعد مسجد میں خواتین کی نماز اور منشائے شریعت کا عنوان قائم کرکے تقریبًا ۶۲ صفحات پر مسجد میں خواتین کی نماز سے متعلق استدلالی انداز سے بحث فرمائی ہے، پھر اس کے بعد صفحہ ۲۲۸ سے چار صفحات کے اندر مساجد میں عورت ومرد کے اجتماع سے متعلق ''کیا فوائد اور نقصان ہیں'' اس کے بارے میں حضرت حجۃ اللہ فی الارض مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی ایک مختصر استدلالی تحریر کو پیش کرکے کتاب کا اختتام فرمایا ہے۔

بہر حال اصل پیش نظر اور موضوع بحث خواتین کے مسجدوں میں جاکر کے باجماعت نماز پڑھنے کے نقصانات سے متعلق ہے۔

خاص طور پر برصغیر کی مساجد میں عورتوں کا جاکر باجماعت نماز پڑھنے کی صورت

میں کیا فتنہ اور مفاسد پیش آسکتے ہیں؟ وہ سب کی نظروں میں ہے اور مسلمانوں کا جو طبقہ خواتین کو مسجد میں جاکر باجماعت نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں وہ خود بھی برصغیر کی مساجد میں اپنی عورتوں کو باجماعت نماز پڑھنے کے لئے نہیں بھیجتے؛ اس لئے کہ وہ خود جانتے ہیں کہ کیا فتنہ پیدا ہوں گے۔

بہر حال مؤلف موصوف نے اس موضوع کو اجاگر کرنے کے لئے زیر نظر کتاب کے اندر ہر پہلو سے استدلالی انداز سے بحث فرمایا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب اہل علم کے درمیان قبولیت کا مقام حاصل کرے گی، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف موصوف کے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔

والسلام

شبیر احمد قاسمی

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی انڈیا

۲۶؍ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۴؍ اگست ۲۰۲۳ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب دامت برکاتہم
استاذِ حدیث و مفتی مظاہر علوم، سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"فقہ؛شریعت کی فہم سلیم"، نامی کتاب مؤلفہ گرامی قدر مفتی مصعب صاحب سلمہ معین مفتی دارالعلوم دیوبند، موصول ہوئی مختلف مواضع سے اس کو پڑھا اور استفادہ کیا ،اس کے متعلق چند سطریں تحریر کرنے کا داعیہ پیدا ہوا جو حسب ذیل ہے۔

قرآن وسنت کے ظاہری و باطنی احکام اور ان کی روشنی میں اخذ واستدلال کے معتبر و مسلم اصول وطرق کے ذریعہ مستخرج و مستنبط احکام کا نام فقہ ہے، جو اجتہاد کی اعلیٰ صلاحیت کے حامل ائمہ کرام کی بے مثال محنت، تفقہ فی الدین اور رسوخ فی العلم کا آئینہ دار ہے۔

فقہی احکام کو قرآن وحدیث کے ساتھ وہی نسبت ہے جو معانی کو الفاظ کے ساتھ ہے، فقہ دین وشریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کی فہم سلیم ہی کا نام ہے، عہد حاضر میں بعض متجددین کی طرف سے یہ گمراہی پھیلائی جارہی ہے کہ فقہ دین وشریعت سے علیحدہ ایک اضافی و وقتی چیز ہے، کہا جارہا ہے کہ استنباطات مجتہدین ان کا اپنا ذاتی فہم ہے جو ہر زمانہ کے لئے قابل عمل نہیں ہو سکتا، لہذا جدید تمدن اور مغربیت سے ہم آہنگ قرآن وحدیث کی تشریح کی جانی چاہئے، بلاشبہ یہ ایک خطرناک

و گمراہ کن تصور ہے۔ اس سے اباحیت کو راہ ملے گی، اور اس آزاد روی سے ہر شخص مجتہد بن کر قرآن و حدیث کو مشق ستم بنائے گا، قرآن و حدیث بازیچہ اطفال بن کر رہ جائیں گے۔ پیش نظر کتاب میں اس تصور کا حقیقت پسندانہ وناقدانہ جائزہ لے کر کابر علماء دیوبند و دیگر محقق علماء کے افادات واقتباسات کی روشنی میں اس کے اس طرح تارو پود بکھیر دئے ہیں کہ استنباطات مجتہدین اور دین وشریعت میں فرق وفاصلہ کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اور ہر انصاف پسند کے لئے قلب و نظر کی تشفی کا پورا سامان مہیا کر دیا ہے، مزید برآں اس کتاب میں فقہ سے متعلق دیگر گراں قدر مباحث پر بڑی عرق ریزی کے ساتھ اکابر و معاصر متقدمین و متاخرین علماء کی گراں قدر تحریروں سے چھنا چھنایا محقق اور بیش قیمت علمی مواد یکجا کر دیا گیا ہے۔ فقہ وفتاوی کے طلاب و خدام کے لئے بصیرت و آگہی اور فقہ وفقہاء کے نقوش عظمت کو قلوب میں مرتسم کرنے میں اس کتاب کا مطالعہ مفید و مددگار ثابت ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کتاب کو مقبول ونافع فرمائے اور صاحب کتاب کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

العبد محمد طاہر عفااللہ عنہ
خادم الحدیث والافتاء مظاہر علوم سہارنپور
۲۲/۱۱/۱۴۴۴ھ

تبصرہ

حضرت مولانا عبدالعلی فاروقی دامت برکاتہم
ناظم دارالعلوم فاروقیہ ومدیراعلیٰ ماہنامہ ''البدر'' کاکوری لکھنؤ

Email:aafarooqi4@yahoo.com

نام کتاب: فقہ؛شریعت کی فہم سلیم
مرتب: مفتی محمد مصعب، معین مفتی دارالعلوم دیوبند
صفحات: ۲۳۹(مجلد) قیمت: درج نہیں
ملنے کا پتہ: مکتبہ الحرمین دیوبند

برادر عزیز جناب مفتی زین الاسلام قاسمی صاحب نے ''فقہ؛شریعت کی فہم سلیم'' نامی کتاب عطا کرتے ہوئے مجھ سے فرمائش کی کہ اس کتاب پر آپ کا تبصرہ مطلوب ہے۔ حال ہی میں شائع ہونے والی اس کتاب کے مرتب عالمی اہمیت و مرجعیت کے حامل دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے معین مفتی جناب مفتی محمد مصعب صاحب ہیں۔ دست بدست کتاب دینے سے قبل ماہ مبارک رمضان میں مفتی زین الاسلام صاحب نے بذریعہ فون کتاب کا مختصر تعارف کراتے ہوئے کتاب کے موضوع ومندرجات کی اہمیت کے پیش نظر محض اپنے حسن ظن کی بنیاد پر راقم الحروف سے اپنی تفصیلی رائے پیش کرنے کی فرمائش کردی تھی —— اسے رب العالمین کی شان ستاری کے علاوہ کیا تعبیر دوں کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کا ایک لائق و سینئر مفتی راقم الحروف جیسے بے سواد وکم علم طالب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ دور حاضر کے ایک ''تشکیلی فتنہ'' کے تعاقب میں لکھی جانے والی ایک وقیع، چشم کشا، اور قول فیصل کا حکم رکھنے والی کتاب پر وہ بھی اپنی رائے یا تبصرہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے؟۔

ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

دارالعلوم دیوبند کے سربراہ اعلیٰ مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم، مرتب کتاب کے اساتذہ مفتی زین الاسلام صاحب، مولانا محمد سلمان بجنوری صاحب و دیگر قابل اعتماد حضرات کی تشجیعی و تحسینی تقاریظ کے بعد مندرجات کتاب کی اہمیت وافادیت کے سلسلہ میں مزید کسی رائے کی ضرورت تو نہیں ہے، لیکن موقع مل جانے پر ''لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہوئے'' مشمولات کتاب کے سلسلہ میں کچھ عرض کر دینا مناسب ہے۔

کتاب کے موضوع اور اس کے مندرجات کا تعارف کراتے ہوئے مفتی ابوالقاسم صاحب نے رقم فرمایا ہے:

> ''پیش نظر کتاب ''فقہ؛شریعت کی عقل سلیم'' گرامی قدر مفتی محمد مصعب صاحب زید علمہٗ کی نئی تصنیف ہے جس کا محرک اور پس منظر مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز کے مسئلے کے عنوان سے پھیلائی جا رہی غلط فہمیوں کا ایک اصولی جائزہ پیش کر کے اس نوعیت کے مسائل پر غور و خوض کے لئے صحیح نہج پیش کرنا ہے... پھر دور نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی جامع تاریخ ذکر کی ہے جس کے تحت شریعت میں عمل متوارث کی اہمیت و حجیت پر بصیرت افروز کلام کیا ہے جو اس کتاب کا ایک اہم جزء ہے اور آخر میں خواتین کی مسجد میں باجماعت نماز کے مسئلے پر متقدمین و متاخرین اور اپنے اکابر کی تصریحات کا شاندار خلاصہ ذکر کرنے کے بعد دور نبوی میں رائج خواتین کی تعلیم و تربیت کے نظام کو پیش کیا ہے''۔(ص ۴،۳)

اپنی تقریظ میں مفتی زین الاسلام صاحب لکھتے ہیں:

”کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں بیان کئے گئے احکام ظاہر النص، عبارۃ النص یا وجوہ دلالت کے دوسرے طریقوں سے نکالے جاتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ احکام شرعیہ یا تونص میں صراحتًا مذکور ہوتے ہیں، یا علت کے اشتراک سے فقہاء کرام استخراج فرماتے ہیں اور ایسے احکام بے شمار ہیں جو آیات محکمات اور احادیث محکمات کی تہوں سے نکالے گئے ہیں، دونوں ہی قسم کے احکام دین وشریعت کا حصہ ہیں۔“

”جس طرح حفاظ وقراء نے الفاظ قرآن کو محفوظ رکھا، محدثین نے الفاظ حدیث کو محفوظ کرنے کا محیر العقول کام انجام دیا، اسی طرح قرآن وحدیث کے احکام ومعانی کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں حضرات فقہاء کرام نے بےنظیر کردار ادا کیا، جس طرح قیامت تک کے لئے قرآن وحدیث کے الفاظ محفوظ ہوگئے اسی طرح قرآن وحدیث کے معانی بھی اپنی مخصوص درجہ بندی کے ساتھ محفوظ ومدون ہوگئے۔ فقہاء کرام کی تشریحات وتوضیحات کو احکام خداوندی کا حصہ نہ سمجھنا اور شریعت سے خارج کرنے کی کوشش کرنا ایک نئی آواز ہے جو کچھ عرصہ سے مستغربین کی جانب سے سننے میں آرہی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فقہائے کرام کے اجتہادات دین وشریعت کا حصہ نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کن سوچ ہے جس میں تمدن جدید کے مطالبات کے تحت اسلامی احکام کی تشریح کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان متجددین نے آیات واحادیث کی تشریح اس منہج سے ہٹ کر کرنی شروع کردی جو طریقہ سلف صالحین اور فقہائے دین سے متوارث چلا آرہا تھا اور قرآن وحدیث کے الفاظ سے معانی تک صحیح رسائی کے جو اصول مقرر تھے انہیں نظر انداز کردیا گیا، ان متجددین کی نظر میں شریعت صرف ظاہری احکام کا نام ہے۔ فقہاء نے جو احکام نکالے ہیں ان کو ذاتی آراء سے تعبیر کرکے ان کی حیثیت کو کمزور کردیا جاتا ہے، حالاں کہ فقہائے کرام جن

احکام الٰہیہ کو ظاہر کرتے ہیں وہ مخفی دلائل، پوشیدہ اشارات اور چھپی علتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔" ص۲۹،۲۸،۲۷)

زیر نظر کتاب کی اہمیت وافادیت کے سلسلہ میں درج بالا دو مؤقر حضرات کی تحریروں کے اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد، خود مرتب کتاب مفتی محمد مصعب صاحب کی "تالیف کا محرک اور پس منظر" کے عنوان سے درج ذیل تحریر پر نظر ڈال لینا بھی ضروری ہے:

"میرے مخدوم و مرشد حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم نے کئی سال پہلے مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز میں شرکت کے سلسلے میں ایک مفصل سوال نامے کا جواب تحریر کرنے کا حکم فرمایا تھا، تقاضا عجلت کا تھا، بندہ نے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی قدس سرّہ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور رسالے کی روشنی میں جواب مرتب کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا، اس کے بعد کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ اس کو باقاعدہ موضوع بنایا جائے؛ اس لئے کہ مسجد میں خواتین کی نماز کا مسئلہ ایک قدیم اور مفروغ عنہا مسئلہ ہے...۔

لیکن ماضی قریب میں اس تعلق سے بحث و مباحثہ اور تعاقب و تردید کا جو رخ سامنے آیا، اس سے اندازہ ہوا کہ درحقیقت بات صرف اسی مسئلے تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ اس طرح کے مسائل کو عنوان بنا کر شعوری یا غیر شعوری طور پر شریعت مطہرہ کی ایسی ترجمانی کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے، جو ہمارے اسلاف کے متوارث مزاج و منہاج سے مختلف ہے اور یہ کوشش نئی نہیں ہے؛ بلکہ انیسویں صدی کے وسط سے متجددین؛ امت مسلمہ کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس نوعیت کے مسائل میں سلف کے اتباع کے مقابلے میں رائے کی آزادی کی اہمیت کو سمجھا جائے اور اسلامی احکام کی تشریح تمدن جدید کے مطالبات کے تحت کی جائے، آج کا نیا دور اسی کا تسلسل ہے، جس کے اثرات مختلف سطح پر محسوس ہو رہے ہیں...۔

مسجد میں خواتین کی باجماعت نماز کے مسئلے پر راست کلام کرنا کچھ مناسب ومفید معلوم نہیں ہوا، اس لئے کہ جب تک فکر ونظر کا رخ اور زاویہ نگاہ صحیح سمت پر نہ ہو، اس وقت تک کوئی مضبوط سے مضبوط دلیل اور معقول بات بھی تشفی اور اطمینان کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اس لئے بنیادی طور پر پہلے درج ذیل اجزاء پر مفصل کلام کی کوشش کی گئی ہے:

☆ دین اسلام پر عمل کے معاملے میں امت مسلمہ کے متوارث طرز عمل کا خلاصہ

☆ عہد نبوی سے علوم شرعیہ کے منتقل ہونے کی مختصر اور جامع تاریخ

☆ فقہ کیا ہے؟

☆ استنباط مجتہدین اور دین کے درمیان فرق وفاصلہ کے جدید تصور کا مفصل جائزہ۔

☆ شرعی احکام کی درجہ بندی کا پس منظر

☆ فروعی اختلافات کی شرعی حیثیت

☆ دین کی نقل صحیح میں محدثین کا کردار

☆ قرآن وسنت کی فہم صحیح میں فقہائے کرام کی وجہ امتیاز۔

یہ وہ بنیادی اجزاء ہیں کہ شرعی احکام پر غور وخوض کرتے ہوئے ... ص ۴۳،۴۲،۴۱،۴۰۔

ان تینوں تحریروں کے پڑھ لینے کے بعد قارئین کے سامنے کتاب کا موضوع، غرض وغایت، اور مواد کے سلسلے کی تمام تفصیلات کا خلاصہ آگیا۔ اب راقم الحروف کی رائے زنی کے لئے صرف اتنی گنجائش ہے کہ وہ نفس موضوع، اور اس کے حوالے سے مرتب کے پیش کردہ مواد کی ضرورت، اہمیت، اور افادیت پر کچھ کلام کرسکے۔

جہاں تک نفس موضوع کا معاملہ ہے، تو اپنی اور قارئین کی سہولت کے لئے اسے ہم دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

اول خواتین کی مسجد میں باجماعت نمازوں کی ادائیگی کی حیثیت اور اس کا حکم؟

دوم اس فروعی مسئلہ کو آڑ بناکر پورے دین اور دینی تعلیمات واحکام کو نقل کے بجائے عقل کا تابع کرتے ہوئے ایسی تعبیرات وتشریحات کرنا، اور اس کے لئے دور جدید کے تقاضوں کو بنیاد بناکر امت مسلمہ کو اسلاف کے منہج قدیم کے بجائے عقل پر اعتماد کرنے کی راہ پر ڈالنے کی سعی نامشکور کی حقیقت، اور پھر اسی سلسلہ میں فقہائے کرام کے اجتہادات اور فروعی مسائل کے استنباط کے سلسلہ میں ان کی آراء کو اصل دین سے الگ قرار دینے کی کوششوں اور ان کے نقصانات کا جائزہ لینا ہے۔

اسی بات کو سادہ اور سیدھے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ خواتین کی مسجدوں میں باجماعت نمازوں میں شرکت، یا اس جیسے دیگر فروعی مسائل میں آراء کا مختلف ہونا، کوئی ایسا اہم معاملہ نہیں ہے، جس سے دین پر اعتماد میں کچھ خلل واقع ہو۔ بات تو اس وقت بگڑنا شروع ہوتی ہے جب ایسے فروعی مسائل کو فقہاءکرام کی ذاتی آراء قرار دیتے ہوئے انہیں دین سے الگ قرار دینے کی کوشش ہوتی ہے ——— اور پھر اس سوچ کے ساتھ جب بات بڑھتی ہے تو نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ ایک بے علم، سنی سنائی پر یقین کرنے والا ''خاندانی اہل حدیث'' مسجد سے نماز ادا کرکے آنے والے مصلی سے یہ سوال کرلیتا ہے کہ تم نے کون سی نماز پڑھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی۔ یا ابوحنیفہؒ والی؟

مرتب کتاب نے اس فتنہ کی جڑوں کی نشان دہی کرتے ہوئے، اس کی تاریخ و دائرہ اثر، اور پھر اس کی سرکوبی کے لئے ہونے والی مساعی جمیلہ کی تفصیلات پیش کرکے محدثین کرام، فقہائے عظام، اور ان کی حمایت و تتبع کرنے والے اسلاف کرام پر امت کے اعتماد کو بحال کرنے کی ایسی خوبصورت، مدلل، اور مضبوط کوشش کی ہے جس نے دو اور دو چار کی طرح یہ واضح کردیا کہ جس طرح دین کے اولین دشمن براہ راست اللہ اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بالفاظ دیگر قرآن وحدیث پر حرف گیری نہیں کرتے، کہ ''چور'' اول مرحلہ ہی میں پکڑ لیا جائے گا ——— بلکہ دین کے اولین ناقلین اور درس گاہ نبوت کے براہ راست متعلّمین یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کو مجروح و بے اعتبار بنانے کی منافقانہ کوشش کرتے ہیں کہ

جب اولین گواہ و ناقلین ہی بے اعتبار ہوجائیں گے تو قرآن پر اعتبار رہے گا، نہ نبی اور ان کی سنتوں پر اعتبار رہے گا، نہ ہی خود اللہ اور اس کی صفات، نبی اور ان کے مقام و مرتبہ، اور پھر ان کی تعلیمات کے سلسلہ میں کوئی اعتماد و اعتبار باقی رہ جائے گا۔ اس طرح پورا دین مشکوک ہوکر رہ جائے گا۔ اسی طرح اعلام دین یعنی فقہائے کرام کی نبوی تعلیمات و ارشادات کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ پیش کی جانے والی آراء، اور احکام دین و شریعت کی درجہ بندی کو اصل دین سے الگ، فقہاء کی ذاتی آراء قرار دینے کا بھی مقصد یہی ہے کہ اس طرح لامحالہ تمام مسائل دینیہ، درجہ اعتبار و اعتماد سے ساقط ہوجائیں گے۔ اور پھر ''اباحیت'' کا وہ دروازہ کھل جائے گا جس سے ہر حرام کو حلال، ممنوع کو مباح، اور ضروری کو غیر ضروری قرار دینے کی راہ ہموار ہوجائے گی؟۔

مرتب کے بیان کے مطابق اس ''فتنۂ جدیدہ'' کا آغاز مصر سے ہوا۔ چنانچہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مصر کے مفتی محمد عبدہ کے سلسلہ میں اپنی کتاب ''الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ فی الاقطار الاسلامیۃ'' میں جو رقم کیا ہے، اسے مع ترجمہ نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا بھی ایک تبصرہ نقل کیا ہے، جس میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نے مفتی محمد عبدہ کی تجدد پسندی کے بارے میں جو رقم فرمایا تھا اس کی مزید توضیح و تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب ''جہان دیدہ'' میں رقم فرماتے ہیں:

> ''واقعہ یہ ہے کہ مغربی افکار کے استیلاء کے بعد مصر کے بعض ''دانشوروں'' نے مغربیت کی نشرواشاعت میں بھرپور حصہ لیا، ''مفتی محمد عبدہ''، ''سید رشید رضا''، اور ''احمد امین'' جیسے متجددین اسی ملک میں پیدا ہوئے جن کے افکار اور تحریروں نے پورے عالم اسلام کے تجدد پسند حلقے کو اسلحے فراہم کئے، یہاں تک کہ ازہر جیسا علمی مرکز بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔''

فقہ اسلامی کے سلسلہ میں مصر کے مفتی محمد عبدہ کے جس نظریہ کو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے اپنی درج بالا تحریر میں پیش کیا، اور جس کی تائید و مزید توضیح حضرت مفتی

محمد تقی عثمانی صاحب نے کی، وہ مفتی محمد عبدہ کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلتا پھولتا اس تصور تک پہنچ گیا کہ دین وشریعت کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا: ایک ''شریعۃ اللہ'' اور دوسرے ''شریعۃ الفقہاء'' اور برملا یہ کہا جانے لگا کہ: ان الدین فی کتاب اللّٰہ غیر الفقہ۔

مفتی محمد عبدہ کے ایک خاص شاگرد اور ان کی فکر ونظریہ کی نشر واشاعت میں بہت نمایاں کردار ادا کرنے والے ''شیخ مصطفی المراغی'' (سابق شیخ الازہر) نے جامعہ ازہر میں ایک تاریخی جلسہ منعقد کرکے اپنے اور اپنے استاذ کے نظریہ ''ان الدین فی کتاب اللّٰہ غیر الفقہ'' کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ ''جامعہ ازہر'' سے پہلی مرتبہ عام کرنے کی کوشش کی، جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ملی۔ اور پھر اسی نظریہ کو بنیاد بناتے ہوئے ان قوانین کو بدلنے کی راہ کھول دی گئی، جو برسوں سے مصر کی اسلامی عدالتوں میں رائج ونافذ ہوتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ خواتین کے پردہ کا انکار کیا گیا، نکاح، طلاق، اور وراثت کے بعض متفق علیہ مسائل میں ترمیم وتبدیلی کی گئی ـــــ بلکہ تجدد پسندی کے سیلاب اور فقہ کو اصل دین سے الگ قرار دینے کے نظریہ نے بات الحاد تک پہنچادی۔ جنت وجہنم کو بھی ایک اختلافی مسئلہ قرار دے دیا گیا، اور معجزات نبوی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے، عقل پسندوں کی رعایت میں، تشکیک پیدا کرنے، یا انکار کرنے کی کوشش کی گئی ـــــ اسی پس منظر میں علامہ زاہد الکوثریؒ کا یہ معنی خیز اور برحق تبصرہ مشہور ہوا۔

«اللامذهبية قنطرة اللادينية»، (لامذہبیت (یعنی فقہاء کے مذاہب کا پابند نہ ہونا) لادینی (یعنی الحاد) تک پہنچانے کا پل ہے)

شیخ مصطفی المراغی کی فکر اور ان کے نظریہ کا اس کتاب کے مرتب نے تجزیہ کرتے ہوئے اس کے سلسلہ میں درج ذیل تین بنیادی امور پیش کئے ہیں:

(۱) فقہاء کے مستنبط کردہ احکام اور ان کی تفریعات کو دینی احکام کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے، دین صرف اس شریعت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی کے ذریعہ نازل فرمائی ہے۔

(۲) فقہاء کے اجتہادات ان کی ذاتی آراء ہیں، جو زمانے کے حالات وماحول کے تابع ہیں۔

(۳) فقہی اختلافات امت میں تفرقہ کا سبب ہیں۔

پھر اس کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے "فقہاء کے استنباطات کی شرعی حیثیت" اور "فقہی اختلافات کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے اپنے اکابر واسلاف کی تحقیقات عالیہ کی روشنی میں مدلل و مسکت طور پر، مفتی محمد عبدہ اور ان کی فکر کے شارح و ترجمان، ان کے "لائق شاگرد" مصطفی المراغی سے ہوتے ہوئے دور حاضر کے "اباحیت پسندوں" کے لئے اتنا وقیع علمی سرمایہ فراہم کردیا ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف توفیق حق سلب ہی نہ کرلی گئی ہو تو «إن الدين في كتاب الله غيرالفقه» کے باطل نظریہ کو قبول کرکے اس کی نشرواشاعت کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

اپنی تفصیلی گفتگو میں مرتب نے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمیؒ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے ساتھ ہی عالم اسلام کی عظیم القدر و مسلم الکل شخصیات، شیخ مصطفی صبریؒ، علامہ زاہد الکوثریؒ، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، اور عصر حاضر کے پابند سلاسل، عظیم محقق شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ وغیرہم جیسے اکابرواعاظم کی تحریروں کے اقتباسات، جابجا اپنے تشریحی تبصروں کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

اس اہم اور اصولی گفتگو کے بعد مرتب نے "مسجد میں خواتین کی نماز اور منشائے شریعت" کے زیر عنوان حضرت امام شافعیؒ، علامہ ابن عبدالبرؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، بحرالعلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری صاحبؒ وغیرہم کی تشریحات و توضیحات کی روشنی میں ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کردیا ہے کہ خواتین کی نماز کے لئے ان کی اصل، اور پسندیدہ جگہ، ان کے گھر ہی ہیں، رہ گیا فرمان نبوی "لا تمنعوا اماء اللّٰہ" کا معاملہ، تو شارح بخاری علامہ کرمانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت مولانا

فخرالحسن صاحب گنگوہیؒ، کی تشریحات کو پیش کرتے ہوئے بہ طور خلاصہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمیؒ کی درج ذیل تشریح نقل کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت جو خیر وصلاح سے معمور اور فتنہ وفساد سے مامون تھا، اس نور فشاں، ہدایت افزا اور پاکیزہ ماحول میں مردوں کا عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکنا، کسی جذبہ خیر کی بنا پر نہ ہوتا، بلکہ اپنی شیخی وبے جا احساس برتری جتانے کے لئے ہوتا؛ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی اصلاح باطن کے پیش نظر منع فرمایا کہ وہ اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں"۔ (خواتین اسلام کی بہترین مسجد، ص۱۹)

اس کے بعد مرتب کتاب مفتی محمد مصعب صاحب نے علامہ بحر العلوم، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، اور قاضی اطہر مبارک پوریؒ، وغیرہم کی اس مسئلہ میں فیصلہ کن بحث کے اقتباسات نقل کرکے واضح طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ دور رسالت وصحابہؓ میں بھی عورتوں کی نماز کے لئے پسندیدہ جگہ ان کے گھر ہی تھے۔ البتہ اس پر عافیت دور میں مردوں کی اجازت سے خواتین کو مسجد میں نماز کے لئے حاضری کی رخصت دی گئی تھی ـــــ یعنی اس عہد مامون ومبارک میں بھی عورتوں کے لئے عزیمت ان کے گھروں میں نماز ادا کرنے ہی میں تھی۔ بہ طور نمونہ بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنویؒ کے اپنی کتاب "رسائل الارکان" میں فیصلہ کن بحث کے مرتب کی طرف سے پیش کئے گئے اقتباس کا ضروری حصہ ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں:

«لیس علیهن حضور الجماعات؛ بل یصلین في بیوتهن، لأن في خروجهن إلی الجماعات فتنة عظیمة، هذا ما افتي به المتأخرون، لما رأوا من فساد أهل الزمان، وعلیه الفتوي......فانظر إلی أن الزمان الشریف مع کونه أبعد من احتمال الفتنة لأن الصحابة کانوا أولیاء الله حتي نهاهم عن منعهن من الخروج إلی المساجد، کیف اسقط فیه

الجماعة عنهن، و جعل البيت خيرالهن للصلاة، و جعل صلاتهن في البيت أفضل من الصلاة بالجماعة، فما ظنك بهذا الزمان الذي هــو زمان الفتنة، فهذا الزمان أحري لسقوط الجماعة عنهن، فهذا الزمان أحري بالمنع عن الخروج إلى الجماعات؛ لأن الجماعة غير لازمة عليهن بالنص، والتحرز عن الفتنة واجب للعمومات، لانعقاد الاجماع على حرمة الباب الحرام - وأما الرخصة في عدم النهي عن الخروج مع كون البيت لهن أفضل، فقد سقطت لانتهاء العلة من عدم احتمال الفتنة، كسقوط سهم المؤلفة، ومعنى قول أم المؤمنين الذ ي مر أن رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لو رأي في زمانه الشريف ما أحدثت في هذا الزمان لما رخص لهن في الخروج، وهذا يشير لو كانت الفتنة في ذلك الزمان، لم يتحقق عليه الرخصة في ذلك الزمان، فلا يرخص البتة».

''نماز کی جماعت میں آنا خواتین کی ذمہ داری نہیں ہے، ان کو اپنے گھروں پر نماز پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ جماعت میں شریک ہونا بڑے فتنہ کا سبب ہے، متاخرین نے زمانے کے بگاڑ کو دیکھتے ہوئے یہی فتویٰ دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ـــــ سوچنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ فتنوں سے کتنا دور تھا، وہ سب متقی اور پرہیزگار تھے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع کر دیا تھا کہ وہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکیں، اس کے باوجود عورتوں کی جماعت کی ذمہ داری ساقط کر دی گئی تھی اور ان کے لئے گھر کو نماز پڑھنے کی بہترین جگہ قرار دیا گیا تھا، اور گھر میں تنہا نماز پڑھنے کو جماعت کی نماز سے بہتر بتایا گیا تھا، تو اب فتنے کے اس زمانے کا حکم آپ خود سوچ لیجئے، اس زمانے میں بدرجہ اولیٰ عورتوں سے جماعت ساقط ہونے کا حکم ہوگا اور اس

زمانے میں عورتوں کو جماعت کی شرکت سے روکنا زیادہ موزوں ہوگا...... اور عورتوں کے لئے گھر کی نماز افضل ہونے کے باوجود جو رخصت دی گئی تھی کہ وہ جماعت میں شامل ہوسکتی ہیں، اب یہ رخصت باقی نہیں رہی، اس لئے کہ رخصت کی علت (یعنی فتنے کے اندیشہ کا نہ ہونا) ختم ہوگئی ......؟ اور (ام المومنین) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول کا یہی مطلب ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں وہ احوال دیکھتے جو آپ کے بعد پیش آئے، توآپ اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد جانے کی رخصت نہ دیتے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتنہ کا اندیشہ ہوتا، توآپ کے زمانے میں رخصت نہ ہوتی، لہٰذا اب جب کہ فتنے کا قوی اندیشہ ہے، کسی صورت میں عام رخصت نہیں دی جاسکتی"۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کتاب میں ''خواتین کی مسجدوں میں باجماعت نمازوں کی ادائیگی کی حیثیت و حقیقت'' اور ''فقہائے کرام کے اجتہادات و آراء کے دین و شریعت سے رشتے، اور اس کے لازمی اثرات'' ــــــ ان دونوں موضوعات پر سیر حاصل بحث کرکے نوجوان عالم مفتی محمد مصعب صاحب نے احقاق حق و ابطال باطل کا اہم فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا ہے، جس کے لئے وہ ہر طرح مبارک باد و حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ان کی اس عرق ریزی اور محنت کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور امت مسلمہ کو ان کے افادات کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)